۵۲

بے اصل و اساس کہانیاں

جمع و ترتیب

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

دار القرآن والسنة

ہوسئ ٥ شہباز گڑھی ٥ مردان

۵۲
بے اصل و اساس کہانیاں

جمع و ترتیب

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

دار القرآن والسنۃ

ہوتی ○ شہباز گڑھی ○ مردان

نام کتاب: باون بے اصل واَساس کہانیاں

جمع وترتیب: ڈاکٹر سراج الإسلام حنیف

آنرز اِن اِربک' فاضل وفاق المدارس الاسلامیۃ'

پی ایچ ڈی [علوم اسلامیہ]

اشاعت اول: جنوری ۲۰۱۸ء

قیمت: 200 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ

کے نام سے جو

سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

فہرسِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمة

إنَّ الْحَمْدَلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلا ھَادِيَ لَہٗ، وَ اَشْھَدُ (۱) اَن لَّآ إلٰہَ إلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لاشَرِیْكَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوااتَّقُوااللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّاوَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

[سورۃ آل عمران ۳:۱۰۲]

یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اتَّقُوْارَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَازَوْجَھَاوَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَاءً وَّ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ○ [سورۃ النساء ۴:۱]

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوااتَّقُوااللّٰہَ وَقُوْلُوْاقَوْلًاسَدِیْدًا○ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَن یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَفَوْزًا عَظِیْمًا○ [سورۃ الاحزاب ۳۳:۷۰-۷۱]

أمّابعد: فإنَّ أصْدَقَ الحَدِیثِ کِتَابُ اللّٰہ، وَخیرَالْھَدْيِ ھَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الأمُوْرِ مُحْدَثَاتُھا، وَکُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٍ، وَکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلالَۃٌ .

---

(۱) حافظ ابن قیم، امام ابن تیمیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: اس حدیث کے تمام طرُق میں: نَسْتَعِینُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُبِہٖ، نون [جمع متکلم] کے ساتھ آئے ہیں، جب کہ کلمہ شہادت میں اِفراد [واحد متکلم] کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ شہادت میں کوئی کسی کی نیابت نہیں کر سکتا اور نہ کوئی کسی کے دل پر گواہی دے سکتا ہے اسی وجہ سے اس کے لیے مفرد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جب کہ استعانت، استعاذہ اور استغفار میں لوگ ایک دوسرے کی نیابت کر سکتے ہیں، اس واسطے ان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ [تہذیب السنن ۲:۷۹۱]

سچ بولنا، سچ سننا اور سچ کی اشاعت کرنا کسی زمانہ میں مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ.

[سورۃ التوبۃ ۹:۱۱۹]

''ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں سچوں کے ساتھ رہو۔''

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور راست بازوں کی صحبت و معیت کی رفاقت اختیار کرو۔ صحبت و معیت کو کسی شخص کے بناؤ اور بگاڑ میں بڑا دخل ہے۔ اگر کسی شخص کا رہن سہن اور اٹھنا بیٹھنا جھوٹوں میں ہو، وہ جھوٹ ہی سنے گا جس کے اثر میں یہ بھی جھوٹ بولنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرے گا اور اسی طرح ایک دانا بینا شخص نابکار اور برباد ہو جائے گا۔

راست گوئی اور حق گوئی وہ بنیادی اخلاقی خصلت ہے جسے دورِ جاہلیت میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو رسالت ملنے سے پہلے صادق اور امین کہا جاتا تھا۔ یہ وہ بنیادی غریزہ اور رویہ ہے جس کو اپنانے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ ؛ فَإِنَّ الصِّدْقَ یَھْدِيْ إِلَی الْبِرِّ؛ وَإِنَّ الْبِرَّ یَھْدِيْ إِلَی الْجَنَّۃِ؛ وَمَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَصْدُقُ وَ یَتَحَرَّی الصِّدْقَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ صِدِّیْقًا. وَ إِیَّاکُمْ وَ الْکَذِبَ ؛ فَإِنَّ الْکَذِبَ یَھْدِيْ إِلَی الْفُجُوْرِ؛ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ یَھْدِيْ إِلَی النَّارِ؛ وَمَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَکْذِبُ وَیَتَحَرَّی الْکَذِبَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ کَذَّابًا.

[صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب[۴۵] باب قبح الکذب[۲۹] حدیث:۶۶۳۹]

''تم صدق کو تھامے رہو کیوں کہ صدق نیکی کے راستے پر چلاتا ہے اور نیکی جنت کے راستے پر چلاتی ہے۔ انسان مسلسل سچ بولتا رہتا ہے اور کوشش سے سچ پر قائم رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے ہاں سچا لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے دور رہو کیوں کہ جھوٹ کج روی کے راستے پر چلاتا ہے اور کج روی آگ کی طرف لے جاتی ہے۔ انسان مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔''

سب سے بڑا جھوٹ وہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ پر بولا جائے۔قرآن مجید میں ہے کہ:

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ. [سورۃ الزمر۳۹:۶۰]

''اور تم قیامت کے دن اُن لوگوں کو جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے دیکھو گے کہ اُن کے چہرے سیاہ ہیں۔کیاان متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا!''

اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے حافظ ابن الجوزی (۱) لکھتے ہیں: قد ذهب طائفة من العلماءِ إلى أنَّ الكذبَ على رسول الله ﷺ كفرٌ ينقلُ عن الملةِ، ولاريبَ أنَّ تعمُّدَ الكذبِ على الله ورسوله في تحْلِيْلِ حَرَامٍ أوْ تحرِيْمِ حَلَالٍ كُفْرٌ مَحْضٌ، و إنماالشَّأْنُ في الكذبِ عليهِ فِيمَاسِوَى ذٰلِكَ.

[تذکرۃ اولی البصائر فی معرفۃ الکبائر:۱۱۴، کبیرہ:۹]

''علماء کے ایک گروپ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا کفر ہے جو کسی انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج کردیتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی حرام کو حلال ٹھہرانے یا کسی حلال کو حرام ٹھہرانے کے سلسلے میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنا تو خالص کفر ہے اور تحلیل وتحریم کے علاوہ دوسرے معاملات میں حدیث وضع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔''

امام مالک (۲) فرمایا کرتے تھے: لم يكن من أمر الناس ولا مَن مَضَى مِن سَلَفِنا ولا

---

(۱) عبدالرحمٰن بن علی بن محمد، جوزی، قرشی، بغدادی، ابوالفرج، بغداد میں ۵۰۸ھ=۱۱۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ حدیث، تفسیر، تاریخ اور مواعظ کے کثیر التصانیف بزرگ تھے۔تین سو کے قریب کتابیں لکھیں۔مقام جوز پر پانی کے ایک گھاٹ کی طرف ان کے آباء واَجداد میں سے کوئی ایک منسوب تھے، اسی لیے ابن جوزی کہلائے۔۵۹۷ھ=۱۲۰۱ء کو بغداد ہی میں وفات پائی۔[وفیات الاعیان ۳:۱۴۰، الاعلام ۳:۳۱۶]

(۲) مالک بن اَنس بن مالک، اَصبحی، حمیری ابوعبداللہ، امام دارالہجرۃ، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔۹۳ھ=۷۱۲ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۷۹ھ=۷۹۵ء کو وفات پائی۔دینی امور میں متصلب اور امراء، وزراء اور سلاطین سے کوسوں دور رہتے تھے۔[وفیات الاعیان ۴:۱۳۵، الاعلام ۵:۲۵۷]

أدري أحدًا أقتدي به يقول في شيءٍ: هذا حلالٌ وهذا حرامٌ، ما كانوا يجترؤون على ذلك، وإنما كانوا يقولون: نكره هذا، ونرى هذا حسنًا، ونَتَّقِي هذا ولا نرى هذا، وزاد عتيق بن يعقوب: ولا يقولون: حلالٌ ولا حرامٌ، أما سمعتَ قول الله عزوجل: ﴿ قُلْ اَرَاَيْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا قُلْ آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴾ و الحَلالُ ما أَحَلَّهُ الله ورسوله والحرامُ ما حَرَّمه الله ورسوله. [جامع بیان العلم وفضلہ ۲: ۲۳۶-۲۳۷، نص: ۲۰۹۱]

''لوگوں، ہمارے اَسلاف اور جن لوگوں کی ہم اقتدا کرتے ہیں کا یہ رویہ نہیں تھا کہ وہ کسی چیز کو [کسی نص کے بغیر] حلال یا حرام ٹھہرائیں۔ وہ ایسا کرنے کی جراَت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم فلاں چیز کو مکروہ اور فلاں کو مستحسن [بہتر] جانتے ہیں اور کبھی کہتے تھے کہ ہم اِس چیز سے پرہیز کرتے ہیں اور اس سے نہیں۔ عتیق بن یعقوب (۱) نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ وہ کسی چیز کو [اجتہاداً] حلال یا حرام نہیں کہا کرتے تھے۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا: ﴿ قُلْ اَرَاَيْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا قُلْ آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴾ [سورۃ یونس ۱۰: ۵۹]

''[ان سے] کہو: بتاؤ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اُتارا تو تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال۔ پوچھو، کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا یا تم اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہو؟''

حافظ ابن عبدالبر (۲) نے امام مالک کے اِس اِرشاد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

---

(۱) عتیق بن یعقوب بن صدیق بن موسیٰ بن عبداللہ بن زبیر بن عوّام، ابوبکر۔ اُن کی والدہ حفصہ بنت عمر بن عتیق بن عامر بن عبداللہ بن زبیر بن عوّام تھی۔ ''سوارقیۃ'' میں رہائش تھی پھر مدینہ منورہ منتقل ہوئے۔ امام مالک کے نہایت قریبی ہیں۔ موطأ اور اُن کی دوسری کتابیں اُن سے لکھیں۔ نہایت اچھے اور شریف مسلمان تھے۔ ۲۲۷ یا ۲۲۸ھ کو وفات پائی۔ [طبقات ابن سعد ۵: ۴۳۹-۴۴۰]

(۲) یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبرّ نمری، قرطبی، مالکی، ابوعمر، حافظ حدیث، مؤرخ اور ادیب تھے۔ اپنے دور میں حافظِ مغرب کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ قرطبہ میں ۳۶۸ھ = ۹۷۸ء کو پیدا......

معنَى قول مالك هذا أنَّ ما أخذه من العلم رأيًا و استحسانًا لم يقل فيه حلالٌ و لا حرامٌ؛ واللہ أعلم. [جامع بیان العلم وفضلہ ۲: ۲۳۷]

''امام مالک کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ وہ اجتہاد رائے یا استحسان کی بنیاد پر کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں ٹھہراتے تھے۔ واللہ أعلم۔''

فی زمانہ جھوٹے اور بے اصل و اساس واقعات اور کہانیاں سنا سنا کر اُن کے بل بوتے پر قطعی نصوص کی مخالفت کی جا رہی ہے۔ بے اصل و اساس کہانیوں کو بنیاد بنا کر اُن پر عقائد اور دینی اعمال کی بنیاد استوار کی جاتی ہے۔ پیش نظر کتاب میں چند مشہور کہانیوں کی اسانید سے اس لیے بحث کی جاتی ہے کہ امت مرحومہ کے علماء واعظین اور خطباء اور مبلغین ان کو بیان کرنے سے گریز کریں اور اُن سچے واقعات اور قصوں پر اکتفا کریں جو قرآن مجید، صحیح احادیث یا دوسری کتابوں میں صحیح اسانید سے منقول ہوں۔ یہی ہمارے دین کا تقاضا ہے۔

ہم نے دیا جلا کر سرِ راہ رکھ دیا
اب جس کے جی میں آئے وہ پائے روشنی

خَادِمُ السُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ

ڈاکٹر سراج الإسلام حنیف

عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ وَسَتَرَ عُيُوْبَهٗ وَغَفَرَ ذُنُوْبَهٗ

۱۲-شوال ۱۴۲۸ھ = ۲-نومبر ۲۰۰۷ء

......ہوئے۔ حصولِ علم کے لیے اندلس کے مشرقی اور مغربی علاقے چھان مارے۔ شبوتہ اور شنترین کے قاضی رہے ہیں۔ شاطبہ میں ۴۶۳ھ = ۱۰۷۱ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۷: ۶۶؛ الاعلام ۸: ۲۴۰]

ابلیس بھی رحمتِ الٰہی سے مایوس نہیں!

حمزۃ بن یوسف سہمی (۱) کہتے ہیں کہ ہمیں حافظ ابوعبداللہ ابن عدی نے روایت بیان کی، انہیں ابوعمر و عبدالمؤمن بن احمد بن حوثرۃ عطار نے جرجان میں، اُنہیں ابورجاء منقر بن حکم بن ابراہیم بن سعد بن مالک بن قرۃ بن قیس بن عاصم منقری نے، اُنہیں لہیعۃ بن عبداللہ بن لہیعۃ مصری نے، اُنہیں اپنے والد عبداللہ بن لہیعۃ نے، اُنہیں ابوالزبیر نے اور اُنہیں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما (۲) نے یہ روایت بیان کی کہ ایک جنی عورت دوسری جنیات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے مجلس میں آیا کرتی تھیں لیکن وہ کئی دن تک غیر حاضر رہی۔ کافی دنوں کے بعد جب وہ آ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اُس سے غیر حاضری کی وجہ پوچھی، جس کے جواب میں وہ کہنے لگی:

مَاتَ لَنا مَيِّتٌ بِأَرْضِ الْهِنْدِ فَذَهَبْتُ فِيْ تَعْزِيَتِهِمْ فَإِنِّيْ أُخْبِرُكَ بِعَجَبٍ رَأَيْتُ فِي طَرِيْقِي، قَالَ: وَمَا رَأَيْتَ؟ قَالَتْ: رَأَيْتُ إِبْلِيْسَ قَائِمًا يُصَلِّيْ عَلٰى صَخْرَةٍ، فَقُلْتُ: أَنْتَ

(۱) حمزۃ بن یوسف بن ابراہیم سہمی قرشی جرجانی ابوالقاسم۔ مؤرخ اور حافظ حدیث تھے۔ جرجان سے تعلق تھا اور وہاں کے خطیب اور واعظ رہے ہیں۔ کئی ممالک کے سفر کیے۔ ۴۲۷ھ = ۱۰۳۶ء کو نیشاپور میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۰۸۹، الاعلام ۲: ۲۸۰]

(۲) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بن عمرو بن حرام، خزرجی، انصاری، سُلمی۔ ۱۶ق ھ = ۶۰۷ء کو پیدا ہوئے۔ باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں۔ ۱۹ غزوات میں حصہ لیا۔ صحیحین میں ان کی ۱۵۴۰ روایتیں ہیں۔ ۷۸ھ = ۶۹۷ء کو وفات پائی۔ [الاصابہ ۱: ۲۱۳، الاعلام ۲: ۱۰۴]

إِبْلِيس؟ قَالَ: نَعَمْ ! قُلْتُ: مَا حَمَلَكَ عَلٰى أَنْ أَضْلَلْتَ آدَمَ وَفَعَلْتَ وَ فَعَلْتَ ؟ قَالَ: دَعِي هٰذَا عَنْكِ، قُلْتُ: تُصَلِّيْ وَأَنْتَ وَأَنْتَ ؟ قَالَ: نَعَمْ يَا فَارِغَةُ بِنْتُ الْعَبْدِ الصَّالِحِ ! إِنِّي لَأَرْجُوْ مِنْ رَبِّي إِذَا أَبَرَّ قَسَمَهٗ فِي أَنْ يَّغْفِرَ لِيْ ؛ قَالَ : فَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ضَحِكَ كَذٰلِكَ الْيَوْمِ . [تاریخ جرجان: ۲۴۵-۲۴۶، روایت: ۳۹۷]

''ہند میں ہمارے رشتہ داروں کے ہاں ایک فوتگی ہوئی تھی جس کی تعزیت کے لیے میں گئی۔ میں نے جاتے میں راستے میں ایک عجیب وغریب بات دیکھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: کون سی عجیب بات؟ وہ کہنے لگی: میں دیکھا کہ ابلیس ایک چٹان پر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہے تو میں نے اُس سے پوچھا: کیا تو ابلیس ہے؟ اُس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے پوچھا: تو نے سیدنا آدم علیہ السلام کو کیوں ورغلایا اور ایسے ایسے کام کیوں کیے؟ اُس نے کہا: اِن باتوں کو چھوڑ و۔ میں نے کہا کہ تو ایسا اور ایسا ہے اور پھر بھی نماز پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگا: ہاں یا فارغة! نیک بندے کی اولاد! مجھے امید ہے کہ میرے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنی قسم تھوڑیں گے [۱] اور مجھے معاف کر دیں گے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اُس دن اتنا ہنسے کہ کبھی بھی اتنا نہ ہنسے۔''

یہ پوری کی پوری کہانی موضوع اور من گھڑت ہے۔ حافظ ابن الجوزی لکھتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں اس کی سند میں مجہول راوی ہیں اس کا راوی ابن لہیعۃ قابلِ اعتبار شخص نہیں۔ وہ کذابین اور ضعفاء سے روایتیں لے کر اُن کے ناموں میں تدلیس کرتا ہے۔ ابو سعید محمد بن

---

(۱) اس میں ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے:

– لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ. [سورۃ الاعراف ۷:۱۸]

''جو لوگ اِن میں سے تیری پیروی کریں گے۔ میں [ان کو اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر] تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔''

– لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ. [سورۃ ص ۳۸:۸۵]

''میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔''

علی بن عمرو بن مہدی نقاش (۱) کہتے ہیں: یہ موضوع ہے۔

[کتاب الموضوعات من الاحادیث المرفوعات ۱: ۲۲۵-۲۲۶، حدیث: ۳۰۹]

حافظ ذہبی (۲) اور حافظ ابن حجر عسقلانی (۳) لکھتے ہیں: کوئی نہیں جانتا کہ اس کا راوی منقر بن حکم کون ہے اور شاید یہ روایت اُس نے وضع کی ہو۔

[میزان الاعتدال ۴: ۱۹۰، ترجمہ: ۸۸۰۱، لسان المیزان ۶: ۱۰۱، ترجمہ: ۳۵۱]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک دوسری اس کہانی کو نقل کر کے لکھا ہے: وَفِي سَنَدِهِ مَنْ لَا يُعْرَفُ، وَأَوْرَدَهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي الْمَوْضُوعَاتِ.

[الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۴: ۶۷۳، بذیل ترجمہ: ۸۲۸]

''اس کی سند میں غیر معروف راوی ہیں اور اسے ابن الجوزی نے موضوعات میں داخل کیا ہے۔''

---

(۱) محمد بن علی بن عمرو بن مہدی نقاش اصبہانی حنبلی ابوسعید۔ اصبہانی الاصل ہیں۔ حافظ حدیث تھے۔ طلب حدیث میں بغداد، بصرہ، کوفہ، مرو، جرجان، ہرات، دینور، حرمین شریفین، نیسابور، ہمدان اور نہاوند کے سفر کیے۔ بکثرت احادیث جمع کیں۔ کئی کتابیں لکھیں اور لکھوائیں۔ ۴۱۴ھ = ۱۰۲۳ء کو وفات پائی۔
[تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۰۵۹، ترجمہ: ۹۷۱]

(۲) محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز، شمس الدین، ابوعبداللہ، حافظ، علامہ، محقق اور مؤرخ تھے۔ ترکمانی الاصل ہیں۔ ۶۷۳ھ = ۱۲۷۴ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ حافظ مزی اور امام ابن تیمیہ کے فیض یافتہ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ دمشق ہی میں ۷۴۸ھ = ۱۳۴۸ء کو وفات پائی۔
[الدرر الکامنۃ ۳: ۳۳۶، الاعلام ۵: ۳۲۶]

(۳) احمد بن علی بن محمد، کنانی، عسقلانی، ابوالفضل، شہاب الدین، ابن حجر، قاہرہ میں ۷۷۳ھ = ۱۳۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ شعر وادب کے دلدادہ تھے، پھر حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے حصول میں صعوبتیں برداشت کیں۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ حدیث، رجال اور تاریخ کے بے نظیر عالم ہیں۔ ۸۵۲ھ = ۱۴۴۹ء کو قاہرہ ہی میں وفات پائی۔ [البدر الطالع ۱: ۸۷، الاعلام ۱: ۱۷۸]

ابوجہل (۱) کی سزا

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۲) فرماتے ہیں: میں میدان بدر کے کنارے کنارے جا رہا تھا کہ زمین میں سے ایک شخص نمودار ہوا جس کے گردن میں زنجیر تھی، جسے ایک کالے رنگ کا شخص تھامے ہوئے تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا، اس آدمی نے مجھ سے کہا: عبداللہ! مجھے پانی پلا دو۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ اُس نے مجھے جانا یا یوں ہی مجھے عبداللہ کہہ دیا، اس پر اس کالے شخص نے کہا: اسے پانی نہ پلاو، پھر اسے زور سے کھینچا اور دونوں زمین میں داخل ہوئے۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر سارا واقعہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اسے دیکھا؟ یہ ابوجہل تھا اور اسے قیامت تک اس عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا۔

[المعجم الأوسط طبرانی ۵:۵۳-۵۴ حدیث: ۶۵۶۰، السنۃ لالکائی ۲: ۱۵۶، رقم النص: ۲۱۴۸]

اس روایت کا مرکزی راوی عبداللہ بن محمد بن مغیرہ کوفی ہے جو قوی نہیں۔ منکر الحدیث ہے۔ حافظ ذہبی نے اس کی کئی روایات نقل کرنے کے بعد لکھا: یہ سب کے سب موضوع ہیں۔

[میزان الاعتدال ۲: ۴۸۷-۴۸۸ ترجمہ ۴۵۴۱]

---

(۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بن خطاب، عدوی، قرشی، ابوعبدالرحمٰن، جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۱۰ قبل ہجری = ۶۱۳ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ اسلام ہی میں ہوش سنبھالا۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں ہجرت کی۔ بدر اور اُحد کے علاوہ سوا سارے غزوات میں شریک رہے، اُن کی مرویات ۲۶۳۰ ہیں۔ مکہ معظمہ میں ۷۳ھ = ۶۹۲ء کو وفات پائی۔ [اسد الغابۃ ۲۱۶، ترجمہ: ۳۰۸۳، الاعلام ۴: ۱۰۸]

(۲) عمرو بن ہشام بن مغیرۃ مخزومی قرشی۔ عہد جاہلیت میں قریش کے اَبطال وسادات میں سے تھا۔ اسلام دشمنی اور عداوت نبی اکرم ﷺ میں سب سے آگے تھا۔ مرتے دم تک عداوت کی آگ میں جلتا رہا۔ غزوۂ بدر ۲ھ میں مارا گیا۔ اس کی اپنی کنیت ابوالحکم ہے۔ مسلمانوں نے اسے ابوجہل کا لقب دیا۔

[الکامل فی التاریخ ۲: ۳۳، الاعلام ۵: ۸۷]

ابو حفص!

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما(۱) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے روز فرمایا کہ: من لقي العباس بن عبدالمطلب – عم رسول الله ﷺ – فلایقتله فإنه إنما خرج مستكرهًا.

''جس کی ملاقات، رسول اللہ ﷺ کے چچا سیدنا عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ(۲) سے ہو جائے تو اُن کے قتل سے گریز کرے اس لیے کہ اُنہیں مجبور کر کے میدانِ جنگ میں لایا گیا ہے۔''

اس پر سیدنا ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ(۳) نے فرمایا: أنقتلُ آبائنا و أبنائنا و إخواننا و نترك العباس؟ والله لئن لقيتهُ لألحمنَّهُ بالسيف.

''کیا ہم اپنے باپ دادوں، بچوں اور بھائیوں کو قتل کریں گے اور عباس رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیں

---

(۱) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب، قرشی، ہاشمی، ۳ قبل ہجری = ۶۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی، جلیل القدر صحابی ہیں۔ حبر الامۃ [امت کے عالم] اور ترجمان القرآن جیسے القاب سے نوازے گئے۔ طائف میں سکونت پذیر تھے اور وہیں ۶۸ھ = ۶۸۷ء کو وفات پائی۔

[اسد الغابۃ: ۶۹۲، ترجمہ: ۳۰۳۸، الاعلام ۴: ۹۵]

(۲) عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ عنہ، ابو الفضل، قرشی، جاہلیت اور اسلام دونوں میں قریش کے سردار سمجھے جاتے تھے۔ عباسی خلفاء کے جد امجد ہیں۔ ۵۱ قبل ہجری = ۵۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا اور اسے چھپائے رکھا۔ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ ۳۲ھ = ۶۵۳ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئے۔

[اسد الغابۃ: ۶۳۲، ترجمہ: ۲۸۰۰، الاعلام ۳: ۲۶۲]

(۳) ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہ۔ صحابی ہیں۔ ۴۲ قبل ہجری = ۵۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ساری غزوات میں شرکت کی۔ ۱۲ھ = ۶۳۳ء کو غزوۂ یمامہ میں شہادت پائی۔ [الطبقات الکبریٰ ۳: ۸۴، تاریخ الاسلام ۲: ۲۳، وفیات ۱۲ھ، ترجمہ: ۸، الاعلام ۲: ۱۷۱]

گے؟ اللہ کی قسم! اگر اُن سے میری ملاقات ہوجائے تو میں تلوار سے اُنہیں کاٹ ڈالوں گا۔''

یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ابوحفص! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (۱) کہتے ہیں: اللہ کی قسم! یہ پہلا دن تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری کنیت ابوحفص سے مجھے مخاطَب کیا أیُضْرَبُ وجهُ عمِّ رسول اللّٰه ﷺ.

''کیا رسول اللہ ﷺ کے چچا کے چہرے پر تلوار کی ضرب لگائی جائے گی؟''

اس کے جواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اجازت دیجیے کہ میں اُس [ابوحذیفۃ بن عتبۃ بن ربیعۃ رضی اللہ عنہ] کی گردن اڑا دوں اس لیے کہ منافق ہوگیا ہے۔ سیدنا ابوحذیفۃ بن عتبۃ بن ربیعۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اُس روز میں نے جو بات کی، میں اس سے خوف زدہ ہوں، اور عرصہ تک خوف زدہ رہا اور میرا خیال ہے کہ اِس گناہ کے اثر کو صرف شہادت دھو سکتی ہے، چنانچہ آپ نے جنگِ یمامہ میں شہادت پائی۔

اس روایت کی سند یہ ہے: ابن اسحاق، از عباس بن عبداللہ بن معبد، عن بعض أهله، از سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ [السِّیرَۃ النَّبَوِیَّۃ، ابن ہشام ۲:۶۲۹، الروض الانف ۵:۹۰]

سوال یہ ہے کہ عباس بن عبداللہ بن معبد کے یہ ''بعض رشتہ دار'' کون ہیں جن سے وہ اس روایت کو نقل کرتے ہیں؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں، یہ راوی مجہول الذات والعدالۃ ہیں اس لیے یہ روایت قطعاً ناقابل التفات ہے۔

---

(۱) عمر رضی اللہ عنہ بن خطّاب، قرشی، عدوی، کنیت ابوحفص تھی اور لقب فاروق۔ مکہ معظّمہ میں ۴۰ قبل ہجری = ۵۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ دوسرے خلیفہ راشد ہیں۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ نہایت شجاع، جری اور بہادر تھے۔ نوجوانانِ قریش میں سے تھے۔ ۱۳ھ کو خلیفہ چنے گئے ان کی عدالت ضرب المثل ہے، ان کے دور خلافت میں شام، عراق، بیت المقدس، مدائن، مصر اور جزیرہ فتح ہوئے۔ سن ہجری کی ابتداء آپ کے عہد زرین میں ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ۵۳۷ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ۲۳ھ = ۶۴۴ء کو رحلت کر گئے۔ نماز جنازہ سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ رومی نے مسجد نبوی میں پڑھائی۔

[اسد الغابۃ: ۹۱۴، ترجمہ: ۳۸۳۱، الاعلام ۵:۴۵]

اس قسم کی ایک روایت اس سند کے ساتھ بھی مروی ہے: ابن اسحاق' از عباس بن عبداللہ بن معبدؔ' از والدِ او: معبدؔ' از سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ [المستدرک ۳:۳۲۳]

جب کہ معبد، جو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں، مجہول ہے۔

[الجرح والتعدیل ۸: ۲۸۰' ترجمہ: ۱۲۸۶' المغنی فی الضعفاء ۲: ۴۱۸' ترجمہ: ۶۳۳۴]

پھر یہ بھی ہے کہ سیدنا ابو حذیفۃ بن عتبۃ بن ربیعۃ رضی اللہ عنہ سابقون اولون میں سے ہیں' جیسا کہ حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ۱: ۱۴۴-۱۴۵ میں اُن کی فہرست پیش کی ہے۔ اس مجہول روایت کی بنیاد پر اُن کو ایک کفری بات منسوب کرنا قطعاً ناانصافی ہے اور یہ کسی رافضی کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نزولِ اِجلال اور حافظ ابن تیمیہ (۱)

مشہور سیاح ابن بطوطہ (۲) لکھتے ہیں: و کان بدمشق من كِبارِ فقهاءِ الحنابلة تقي الدين ابن تيمية كبيرالشام، يتكَلَّمُ في الفنون إلّا أنَّ في عقله شيئًا، و كان أهل دمشق يعظمونه أشدَّ التعظيم، و يعظُهم على المنبر......و كنتُ إذ ذاك بد مشق فحضرته يوم الجمعةِ و هو يعِظُ النَّاسَ على منبر الجامع و يُذَكِّرُهُمْ، فكان من جملةِ كلامه أن قال: إنَّ الله ينزلُ إلى سماء الدُّنيا كنزولي هذا، ونزل درجةً من درج المنبر فعَارَضَهُ فقيهٌ مالِكِيٌّ يُعرف بإبن الزهراء، و أنكرَ ما تَكَلَّمَ به، فقامت العامةُ إلى هذا الفقيه و ضربوهُ بالأيدي و النِّعالِ ضَربًا كثيرًا حتى سقطت عمامته. [رحلة ابن بطوطة: ۱۱۲–۱۱۳]

"دمشق میں حنبلیوں کے کِبار فقہاء میں سے ایک تقی الدین ابن تیمیہ بھی ہیں جو مختلف علوم

---

(۱) احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبد اللہ بن ابی القاسم، حرانی، دمشقی، حنبلی، ابو العباس، تقی الدین ابن تیمیہ، ۶۶۱ھ=۱۲۶۳ء کو حران میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں مصر منتقل ہو گئے۔ ۷۲۸ھ=۱۳۲۸ء کو قلعہ دمشق میں حالتِ اسارت میں وفات پائی۔ بڑے فطین اور ذکی عالمِ دین تھے۔

[المعجم المختص بالمحدثین، ذہبی: ۲۵، البدایۃ والنہایۃ ۱۴: ۱۴۱، الاعلام ۱: ۱۴۴]

(۲) محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم اللواتی الطنجی ابو عبد اللہ ابنُ بَطُّوْطَةْ۔ ۷۰۳ھ=۱۳۰۴ء کو طنجہ [Tanger] میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ سیاح اور مؤرخ تھے۔ مصر، شام، حجاز مقدس، عراق، فارس، یمن، بحرین، ترکستان، ماوراء النہر، ہند، چین، جاوا اور وسطی افریقہ کی سیاحت کی۔ اپنے اَسفار کو محمد بن جُزی کو املاء کرا کر لکھوائیں۔ ۲۷ سال سیاحت میں گزارے۔ ۷۷۹ھ=۱۳۷۷ء کو مراکش میں وفات پائی۔ [الدرر الکامنۃ ۳: ۴۸۰، ترجمہ: ۱۲۸۵، الاعلام ۶: ۲۳۵]

وفنون میں بحث کیا کرتے تھے مگر اُن کی عقل میں کوئی شے تھا۔ اہل دمشق اُن کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے وہ منبر پر بیٹھ کر اُن سے وعظ بھی فرمایا کرتے تھے...... میں جمعہ کے دن اُن کے ہاں حاضر ہوا۔ وہ ''جامع'' کے منبر پر لوگوں سے وعظ ونصیحت فرمارہے تھے۔ دیگر باتوں کے علاوہ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ ''اللہ تعالیٰ آسمان سے میرے اِس نُزول [اُترنے] کی طرح نُزول فرماتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ منبر کی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی نیچے اُترے۔ ایک مالکی فقیہ جو ابنُ الزہراء کے نام سے معروف تھے، اُنہوں نے ابن تیمیہ سے اختلاف کیا اور اس بات کی تردید کی۔ عوام اُس فقیہ کے ساتھ ہو گئے اور ابن تیمیہ کی ہاتھوں اور جوتوں سے سخت پِٹائی کی یہاں تک کہ اُن کا عمامہ گر گیا۔''

اس کہانی کو بنیاد بنا کر حافظ ابن تیمیہ کو بے دین، مشبہہ اور مجسمہ جیسے القاب سے نوازا گیا اور کسی نے بھی قرآنی حکم ''فَتَبَيَّنُوْا'' پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس قصہ کا جھوٹا ہونا اتنا واضح ہے کہ اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں خود ابن بطوطہ لکھتے ہیں:

وصلتُ يومَ الخميسِ التاسع من شهر رمضان المعظم عام ستة وعشرين إلى مدينة دمشق الشَّام. [رحلۃ ابن بطوطۃ: ۱۰۴]

''میں ۹- رمضان المعظم ۷۲۶ھ بروز جمعرات، شام کے شہر دمشق پہنچا۔''

جب کہ حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد حافظ ابن رجب (۱) لکھتے ہیں: مكث الشيخ في القلعة من شعبان سنة ست و عشرين إلى ذي القعدة سنة ثمان و عشرين، ثم مرضَ بضعة وعشرين يومًا، ولم يعلم أكثر النَّاس بمرضه، و لم يفجأهم إلَّا موته.

[ذیل طبقات الحنابلۃ ۴: ۴۰۵]

---

(۱) عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب، سلامی، بغدادی، دمشقی، حنبلی، ابوالفرج، زین الدین، حافظ حدیث تھے۔ ۷۳۶ھ = ۱۳۳۵ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ ۷۹۵ھ = ۱۳۹۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔ [شذرات الذہب ۸: ۵۷۸، الاعلام ۳: ۲۹۵]

''شیخ ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ سے ذوالقعدۃ ۷۲۸ھ تک قلعہ میں بند تھے پھر ۲۸ دن بیمار رہے اور لوگوں کو اُن کی بیماری کا علم نہ ہوسکا البتہ اُن کی اچانک وفات پا جانے سے لوگوں کو اطلاع ہوئی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ابن بطوطہ نے غلط بیانی کی ہے اس لیے کہ شیخ اُن کے دمشق آنے سے ایک مہینہ پہلے محصور ہوئے تھے جس کے بعد جیل سے وہ نہیں بلکہ اُن کا جنازہ نکلا ہے نیز یہ بھی ہے کہ یہ بڑا واقعہ اگر جمعہ کے روز وعظ کے دوران ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ دوسرے لوگوں نے بھی اسے دیکھا ہوگا لیکن تعجب ہے کہ اتنی اہم بات جو جمعہ کے وعظ میں ''جامع اموی'' میں واقع ہوئی، ابن بطوطہ کے علاوہ کوئی اور شخص اس کا ناقل نہیں! آخر کیوں؟

فلسفہ تاریخ کے امام علامہ ابن خلدون (۱) نے ابن بطوطہ کی زبانی کچھ قصوں اور کہانیوں کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ: فَتَنَاجَى النَّاسُ بِتَكْذِيْبِه . [مقدمۃ ابن خلدون: ۳۱۶]

''پس لوگوں نے یک آواز ہو کر اُسے جھوٹا قرار دیا۔''

پھر علامہ ابن خلدون نے بادشاہ کے وزیر فارِس بن ودرار کو بتایا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ ابن بطوطہ جھوٹا ہے اور اُس سے ابن بطوطہ کی کچھ دفاع کی مگر لوگوں میں ابن بطوطہ کا جھوٹا ہونا مستفاض اور مشہور ہے۔ [مقدمۃ ابن خلدون: ۳۱۶]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: و قرأتُ بخط ابن مرزوق أنَّ أبا عبد اللهبن جزي نمقها و حررها بأمر السُّلطان أبي عنان ، و كان البُلْقِيْنِي رماهُ بالكذب فبرأه ابن مرزوق. [الدرر الکامنۃ ۳: ۴۸۰-۴۸۱، ترجمہ: ۱۲۸۵]

---

(۱) عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد، ابوزید، حضرمی، اکندی۔ سیدنا وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے تھے۔ فلسفہ تاریخ کے امام تھے۔ تیونس میں ۷۳۲ھ=۱۳۳۲ء کو پیدا ہوئے، اور یہیں پلے بڑھے۔ حصول علم و معاش کے سلسلے میں فاس، غرناطہ تلمسان اور قاہرہ گئے۔ مصر میں دوبار قاضی قضاۃ رہے۔ ۸۰۸ھ=۱۴۰۶ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ [الضوء اللامع ۴: ۱۴۵، الاعلام ۳: ۳۳۰]

''میں نے ابن مرزوق (۱) کے لکھے ہوئے خط میں پڑھا ہے کہ ''سفر نامہ ابن بطوطہ'' کو ابو عبداللہ بن جُزی الکلبی (۲) نے سلطان ابوعنان (۳) کی فرمائش پر لکھی ہے۔ البُلْفَيْقِي (۴) نے ابن بطوطہ کو جھوٹا کہا ہے لیکن ابن مرزوق نے اُن کی براءت پیش کی۔''

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (۵) نے لکھا ہے کہ: ''یہ روایت ابن بطوطہ نے ایک چشم دید

---

(۱) محمد بن احمد بن محمد ابن مرزوق التلمسانی ابوعبداللہ المعروف بالحفید وابوحفید ابن مرزوق۔ ۷۶٦ھ =۱۳٦۴ء کو تلمسان میں پیدا ہوئے۔ حجاز مقدس اور مشرق کے سفر کیے۔ فقہ، اصول، حدیث اور ادب کے عالم تھے۔ تلمسان ہی میں ۸۴۲ھ = ۱۴۳۸ء کو وفات پائی۔

[الضوء اللامع لاہل القرن التاسع ۷: ۴۴، ترجمہ: ۳۷۴، الاعلام ۵: ۳۳۱]

(۲) محمد بن احمد بن محمد بن عبداللہ ابن جُزی کلبی ابوالقاسم۔ اصول اور لغت کے منجھے ہوئے عالم تھے۔ ۶۹۳ھ = ۱۲۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ غرناطہ سے تعلق تھا۔ لسان الدین الخطیب اُن کے شاگرد رہے ہیں۔ ۷۴۱ھ = ۱۳۴۰ء کو وفات پائی۔ [الدرر الکامنۃ ۳: ۳۵٦، الاعلام ۵: ۳۲۵]

(۳) فارس بن علی بن عثمان بن یعقوب المرینی ابوعنان المتوکل علی اللہ۔ ۷۲۹ھ = ۱۳۲۹ء کو جدید فاس یعنی مدینۃ البیضاء میں پیدا ہوئے۔ اپنے علم وفضل کی وجہ سے اپنی قوم میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ابتدا میں تلمسان کے امیر تھے پھر اُن کے والد کی حیات میں اُن کی خلافت کی بیعت لی گئی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ چند روز بیمار رہے پھر وفات پا گئے لیکن عوام کا خیال ہے کہ یعیش نے۔ جو اُن کے ایک وزیر کا بھائی تھا۔ ۷۵۹ھ = ۱۳۵۸ء کو انہیں زہر دے کر قتل کروایا۔ اُن کی مدتِ خلافت ۲ سال ۴ مہینے ہے۔ [تاریخ ابن خلدون ۷: ۴٦۸، الاعلام ۵: ۱۲۷]

(۴) ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن محمد بن خلف ابواسحاق۔ امام، فاضل، عارف اور محدث تھے۔ ''المُرِیۃ'' کے مضافاتی قلعہ بُلْفَیق کی طرف منسوب ہیں۔ ''المُرِیۃ'' میں ۶۱٦ھ کو پیدا ہوئے اور وہیں ٦٦۱ھ کو وفات پائی۔ [الوافی بالوفیات ٦: ۸۸، ترجمہ: ۲۲۰]

(۵) ابوالحسن علی ندوی بن عبدالحی حسنی۔ ۲۴ نومبر ۱۹۱۴ء کو ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں تکیہ، رائے بریلی، ہند میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور وہاں سے اسلامی علوم میں سندِ فضیلت حاصل کی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو وفات پائی۔ اردو زبان میں ۱۷۷ کے لگ بھگ کتابیں لکھیں۔

[تذکارِ رفتگان، اشاعت خاص ماہنامہ الشریعۃ، گوجرانوالہ: ۲۰۹ومابعد]

واقعہ کے طور پر اپنے سفر نامہ میں لکھی ہے۔ راقم سطور نے علامہ شام شیخ بہجۃ البیطار سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تاریخی حیثیت سے یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے، خود ابن بطوطہ ذکر کرتا ہے کہ وہ دمشق رمضان ۷۲۶ھ میں آیا ہے اور یہ بات مسلَّم ہے کہ شیخ الاسلام شعبان ۷۲۶ھ میں محبوس ہو چکے تھے، پھر ابن تیمیہ کبھی بھی جامع اموی کے خطیب نہیں رہے، اُس زمانہ میں جامع اُموی کے خطیب شیخ جلال الدین قزوینی تھے اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو ابن بطوطہ کو اشتباہ ہوا یا غلط بیانی سے کام لیا۔''

[تاریخ دعوت وعزیمت ۲: ۱۵۴، حاشیہ]

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کی اِملائی کتاب میں ہے کہ:

''اب یہاں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو بھی سمجھ لینا ضروری ہے۔ یہ بات بہت مشہور ہوگئی ہے کہ وہ ۔مَعاذَ اللہِ ۔تشبیہ کے قائل یا کم از کم اس کے قریب پہنچ گئے ہیں اور یہ قصہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ جامع دمشق کے منبر پر تقریر کرتے ہوئے حدیثِ باب کی شرح کی اور اس تشریح کے دوران خود منبر سے دو سیڑھیاں اُتر کر کہا کہ ''یَنزِلُ کَنُزُوْلِيْ ھٰذَا''یعنی باری تعالیٰ کا نزول میری اِس نزول کی طرح ہوتا ہے۔

اگر یہ واقعہ ثابت ہو تو بلا شبہ یہ نہایت خطرناک بات ہے اور اِس سے لازم آتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ تشبیہ کے قائل ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ تحقیق سے اِس واقعے کی نسبت علامہ ابن تیمیہ کی طرف ثابت نہیں ہوتی۔ دراصل یہ واقعہ کسی مستند طریقے سے ثابت نہیں بلکہ یہ سب سے پہلے ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے (صفحہ ۵۷ ج ۱) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے خود علامہ ابن تیمیہ کو جامع دمشق کے منبر پر تقریر کرتے ہوئے دیکھا، وہ تقریر کے دوران منبر سے دو سیڑھیاں نیچے اترے اور کہا کہ: ''یَنْزِلُ کَنُزُوْلِيْ ھٰذَا''۔

لیکن محققین نے سفر نامہ ابن بطوطہ کی اس حکایت کو معتبر نہیں مانا، جس کی وجہ یہ ہے کہ اسی سفر نامے کے صفحہ ۵۰ ج ۱ پر تصریح ہے کہ ابن بطوطہ جمعرات ۹/ رمضان ۷۲۶ھ کو دمشق

پہنچا ہے، حالانکہ علامہ ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ کے اوائل ہی میں دمشق کے قلعے میں قید ہو چکے تھے اور اِسی قید کی حالت میں ۲۰/ ذی قعدہ ۷۲۸ھ کو اُن کی وفات ہوگئی، لہٰذا یہ بات تاریخی اعتبار سے ممکن نظر نہیں آتی کہ وہ رمضان ۷۲۶ھ میں جامع دمشق میں خطبہ دے رہے ہوں۔

اُدھر سفر نامہ ابن بطوطہ خود ابن بطوطہ کا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ اُسے اُن کے شاگرد ابن جزی کلبی نے مرتب کیا ہے اور وہ ابن بطوطہ سے حالات زبانی سن کر اُنہیں اپنے الفاظ میں قلم بند کرتے تھے اس لیے اس میں غلطیوں کا کافی اِمکان ہے۔

جہاں تک اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ کے صحیح موقف کا تعلق ہے، اس موضوع پر اُن کی ایک مستقل کتاب ہے جو ''شرح حديث النزول'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے اور اس میں علامہ ابن تیمیہ نے ''تشبیہ'' کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے۔ مثلاً صفحہ ۵۸ پر لکھتے ہیں:

''وليس نُزُولُهُ كَنُزُوْلِ أَجْسَامِ بَنِي آدَمَ مِنَ السَّطْحِ إِلَى الْأَرْضِ بِحَيْثُ يَبقى السَّقْفُ فَوْقَهُمْ ، بَلِ اللّٰهُ مُنَزَّهٌ عن ذلك.''

[درس ترمذی ۲: ۲۰۲-۲۰۳]

امام بخاری(۱) کا امتحان

احمد بن عدی کہتے ہیں: سَمِعْتُ عِدَّةَ مَشَایِخَ یَحْکُوْنَ ''میں نے بہت سے مشائخ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے'' کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری بغداد تشریف لائے۔ اصحابُ الحدیث نے یہ بات سنی تو جمع ہو گئے اور اُن سے ایسی سو اَحادیث پوچھنے کا اِرادہ کیا جن کی سندوں اور متون کو آپس میں گڈمڈ کر دیا تھا۔ ایک کے متن کو دوسری کی سند میں اور دوسری کی سند کو کسی اور متن میں داخل کیا تھا۔ خراسان اور بغداد کے بہت سے محدثین جمع ہوئے اور دس محدثین کو دس دس احادیث دی گئیں۔ اُن میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر اپنی احادیث کے بارے میں پوچھا جن کے جواب میں امام بخاری نے لَا أعْرِفُهٗ فرمایا یعنی میں اس کو نہیں جانتا اسی طرح دس محدثین نے اپنے دس دس سوالات پوچھے جن کے بارے میں انہوں نے اپنی لاعلمی کا اِظہار کیا یہاں تک کہ سارے محدثین کی مقلوب روایتیں ختم ہو گئیں تو امام بخاری پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور اُنہیں فرمایا کہ آپ کی پہلی حدیث کی اصل سند اور اصل متن یہ ہے، دوسری حدیث کا یہ اور تیسری حدیث کا یہ ہے، یہاں تک کہ سارے پوچھنے والوں کی احادیث کی حقیقت بتا دی اس سے لوگوں نے آپ کے حافظہ کی داد دی اور اسے تسلیم کر لیا۔

اس کہانی کے راوی ابن صاعد جب کبھی یہ قصہ بیان کرتے تو امام بخاری کے لیے اَلْکَبْشُ

---

(۱) محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، بخاری، ابوعبداللہ، امیر المؤمنین فی الحدیث، ۱۹۴ھ = ۸۱۰ء کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے۔ طلب حدیث کے سلسلے میں مشقتیں اٹھائیں اور لگ بھگ ایک ہزار اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، ۲۵۶ھ = ۹۷۰ء کو خرتنگ میں وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۲: ۵۵۵، الاعلام ۶: ۳۴]

النَّطَّاحُ ''سخت ٹکر مارنے والا مینڈھا'' کے الفاظ کہتے۔

[تاریخ بغداد ۲: ۲۱، ترجمہ: ۴۲۴، تہذیب الکمال ۲۴: ۴۵۳، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲: ۲۱۸-۲۱۹، سیر اعلام النبلاء ۱۲: ۴۰۸-۴۰۹، ہدی الساری: ۴۸۶]

یہ کہانی ضعیف ہے اس لیے کہ ''بہت سے مشائخ'' مجہول ہیں اور جب تک یہ غیر معلوم رہیں گے تب تک اس کہانی کو صحیح نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ مجہول کی روایت صحیح نہیں کہلاتی!!

امام بخاری کی قبر سے مشک کی خوش بو

محمد بن ابی حاتم وراق سے روایت ہے کہ میں نے ابو منصور غالب بن جبریل خرتنگی سمرقندی سے سنا کہ امام بخاری نے وفات سے پہلے وصیت کی کہ مجھے تین کپڑوں کی کفن پہناؤ جس میں قمیص اور عمامہ نہ ہو۔ جب ہم نے اُن کا نماز جنازہ پڑھا اور آپ کو قبر میں دفن کیا تو مٹی سے مشک کی خوش بو اور مہک آتی رہی اور عرصہ دراز تک لوگ دور دور سے آ کر قبر کی مٹی کو [بطورِ تبرک] لے جاتے رہے یہاں تک کہ ہم نے اس کو اینٹوں سے ڈھانک دیا۔

[طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲: ۲۳۳-۲۳۴، سیر اعلام النبلاء ۱۲: ۴۶۶-۴۶۷، ہدی الساری: ۴۹۳]

امام تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن عبدالکافی السبکی [1] کی بلا دلیل و برہان اتباع کا نتیجہ یہی تو ہوگا۔ انہوں نے یہ پوری بے اصل و اساس کہانی دراصل اس لیے نقل کی ہے کہ وہ اس سے ایک بدعت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بدعت کیا ہے؟ ایک دوسری کہانی پڑھیے:

ابوعلی غسانی کہتے ہیں کہ ۴۶۴ ہجری کی بات ہے کہ ہمارے پاس بَلَنْسِیَہ میں شیخ ابوالفتح نصر بن حسن سکتی سمرقندی تشریف لائے، اُنہوں نے بتلایا کہ ہمارے یہاں سمرقند میں ایک سال ایسے ہوا کہ بارشیں ہونی بند ہوگئیں اور قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے کئی بار بارش کے لیے دعاء کی مگر بارش نہ ہوئی ایک نیک و صالح شخص جو نیکی میں معروف تھا، وہ سمرقند کے قاضی کے

---

(۱) عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی، ابونصر، قاضی القضاۃ، مؤرخ اور باحث تھے۔ ۷۲۷ھ = ۱۳۲۷ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کی معیت میں دمشق آ کر وہاں سکونت اختیار کی اور دمشق ہی میں ۷۷۱ھ = ۱۳۷۰ء کو وفات پائی۔ سُبُک [مصر کے منوف علاقے] سے تعلق کی وجہ سے السبکی کہلائے۔

[الدرر الکامنۃ ۲: ۴۲۵، الاعلام ۴: ۱۸۴]

پاس آکر کہنے لگا کہ میری ایک رائے ہے' کہیں تو عرض کروں؟ قاضی نے کہا بتلاؤ کیا ہے؟
اُس نے کہا کہ آپ اور آپ کے پاس عوام الناس امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر پر جائیں جو کہ
خرتنگ میں ہے اور آپ کی قبر کے نزدیک بارش کی دعاء کریں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ
ہمیں بارش سے سیراب فرمادیں گے قاضی صاحب نے کہا کہ بہت اچھا خیال ہے' چنانچہ
قاضی صاحب اور عوام الناس امام بخاری کی قبر پر گئے۔ قاضی صاحب نے عوام کے ساتھ
مل کر بارش کی دعاء کی اور لوگ امام بخاری کی قبر کے نزدیک خوب روئے اور صاحبِ قبر
[امام بخاری] سے اِستشفاع کیا [یعنی اُن سے عرض کیا کہ آپ بھی ہمارے لیے اللہ تعالیٰ
کے حضور میں بارانِ رحمت کی دعاء کریں] اللہ تعالیٰ نے اس دعاء' گریہ وزاری اور استشفاع
کے طفیل ایسی بارانِ رحمت نازل فرمائی کہ اس کی وجہ سے لوگوں کو سات دن تک خرتنگ میں
ٹھہرنا پڑا۔ بارش کی کثرت کی وجہ سے کوئی بھی سمرقند نہیں پہنچ سکتا تھا حالانکہ خرتنگ اور سمرقند
کے درمیان صرف تین میل کا فاصلہ تھا۔

[طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲: ۲۳۳-۲۳۴' سیر اعلام النبلاء ۱۲: ۴۶۹]

سوال یہ ہے کہ:

۱- محمد بن ابی حاتم وراق کیسے ہیں؟ ثقہ ہیں یا ضعیف؟ کسی کو کچھ نہیں معلوم! صرف اتنا
معلوم ہے کہ امام بخاری کے وراق تھے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ: امام جلیل ابوجعفر محمد
بن ابی حاتم وراق اور ناسخ تھے۔ سفر وحضر میں امام بخاری کے ساتھ رہے اور اُن کی کتابیں
لکھیں۔ [تغلیق التعلیق ۴: ۴۱۹]

آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں اُن کی توثیق کا ایک لفظ بھی موجود نہیں۔

۲- غالب بن جبریل کون ہیں؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ کوئی نہیں جانتا کہ کیسے تھے۔ اُن کے
بارے میں صرف یہ ریمارکس ملتے ہیں کہ: شیخ تھے۔ ابومنصور کنیت تھی۔ امام بخاری اُن کے
ہاں ٹھہرے تھے۔ اُن سے کوئی مسند حدیث مروی نہیں۔ امام بخاری کے فضائل اور اُن سے

منسوب حکایات کے راوی ہیں۔[المتفق والمفترق:۴:۱۷۶۴، ترجمہ:۱۱۴۶۲-[۲]فقرہ:۱۳۱۴]
اس میں بھی توثیق کا کوئی لفظ موجود نہیں اس لیے نہ تو خوش بو والی بات درست ہے اور نہ اُن کی قبر کے پاس استشفاع! اگر یہ جائز ہوتا تو قحط کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس جا کر استشفاع کرتے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱) لکھتے ہیں: كُلُّ مَن ذَهب إلى بلدة أجمير أو إلى قبر سالار مسعود أو ما ضاهاها لأجل حاجة يطلبها فإنه أَثِمَ إثماً أكبر من القتل و الزنا، أليس مثله إلّا مَن كان يعبد المصنوعات أو مثل مَن كان يعبد اللات و العُزّى إلّا أنّا لا نُصَرِّحُ بالتكفير لعدم النص من الشارع عليه السلام. [التفہیمات الالٰہیۃ ۲:۴۹، تفہیم:۳۴]

''جو شخص اجمیر شہر یا مقبرہ سالار مسعود یا اس طرح کی کسی اور قبر کے پاس اس غرض سے چلا جائے کہ وہاں اپنی حاجات طلب کرے گا تو وہ قتل اور زنا سے بڑھ کر گناہ کا مرتکب ہوا، اس کی مثال بالکل اُس شخص جیسی ہے جو مصنوعات [ہاتھ سے بنائی ہوئی چیزوں] اور لات و عزیٰ کی عبادت کرے، لیکن ہم ایسے لوگوں کو صراحۃً کافر نہیں کہتے اس لیے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صریح نص موجود نہیں۔''

(۱) ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم، عمری، حنفی، نقش بندی، محدث دہلوی۔ ۱۱۱۴ھ=۱۷۰۳ء کو سونی پت میں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ سولہ سال کے تھے کہ درس و تدریس کی اجازت مل گئی۔ ہند میں تفسیر و حدیث کو مشتہر کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دہلی میں ۱۱۷۶ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔[نزہۃ الخواطر ۶:۴۱۰، تذکرہ علمائے ہند:۵۴۲]

امام مالک اور استشفاع عند القبر

مشہور محدث قاضی عیاض (۱) اپنی سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں: ابن حُمید فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور (۲) کا امام مالک سے مسجد نبوی میں مناظرہ ہوا۔ امام مالک نے فرمایا: امیر المؤمنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یہ ادب سکھلایا کہ تم اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کی آوازوں پر بلند نہ کرو اور ایک قوم کی تعریف کی ہے کہ بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں اور ایک قوم کی مذمت کی ہے سو فرمایا ہے کہ جو لوگ تجھے حجروں کے سامنے سے پکارتے ہیں اُن میں سے اکثر شعور نہیں رکھتے اور وفات کے بعد بھی آپ کی عزت و حرمت ایسی ہی ہے جیسا کہ زندگی میں تھی اس پر ابو جعفر نے عاجزی کرتے ہوئے آواز پست کر لی اور امام مالک سے دریافت کیا: ابو عبداللہ! کیا میں قبلہ رُخ ہو کر دعاء کروں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف رُخ کروں؟ امام مالک نے فرمایا: لِمَ تَصْرِفُ وَجْهَكَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيْلَتُكَ وَوَسِيْلَةُ أَبِيْكَ آدَمَ عليه السلام إِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ بَلِ اسْتَقْبِلْهُ وَاسْتَشْفِعْ بِهِ فَيُشَفِّعُهُ اللّٰهُ، قَالَ اللّٰهُ:

---

(۱) عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو، یحصبی، سبتی، ابو الفضل، سبتہ [مغرب] میں ۴۷۶ھ = ۱۰۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے میں علمائے حدیث کے سرخیل تھے۔ سبتہ کے قاضی [judge] رہے ہیں۔ ۵۴۴ھ = ۱۱۴۹ء کو مراکش میں زہر دے کر قتل کر دیے گئے۔ [وفیات الاعیان ۳: ۴۸۳، الاعلام ۵: ۹۹]

(۲) عبداللہ بن محمد بن علی بن العباس ابو جعفر المنصور، بنو عباس کے دوسرے خلیفہ تھے۔ شاہانِ عرب میں سب سے پہلے انہوں نے علوم پر بھر پور توجہ دی۔ فقہ و ادب کے ماہر عالم تھے۔ علوم فلسفہ اور فلکیات میں مہارت رکھتے تھے۔ ۹۵ھ = ۷۱۴ء کو ارض الشراۃ [معان کے قریب] میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۶ھ کو اپنے بھائی سفاح کی وفات کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے۔ ۱۴۵ھ کو بغداد کی بنیاد ڈالی۔ ۱۵۸ھ = ۷۷۵ء کو مدینہ منورہ کے قریب بئر میمون میں وفات پائی۔ [البدء والتاریخ ۶: ۹۰، الاعلام ۴: ۱۱۷]

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ. [الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ ۲: ۵۲۰-۵۲۱]

''تو اپنا رُخ آپ سے پھیرتا ہے حالانکہ آپ ہی [شفاعتِ کبریٰ کے ذریعے] تیرے اور تیرے دادا سیدنا آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہوں گے، بلکہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور آپ کو سفارشی بنا۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی سفارش قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آ کر اپنی غلطی کی معافی طلب کریں اور رسول بھی اُن کے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اللہ کو ضرور توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔''

قاضی عیاض نے ترتیب المدارک ۱: ۱۱۴ میں یہ روایت بلا سند لکھی ہے مگر یہ قطعاً ناقابل استدلال ہے، اس لیے کہ اس کا مرکزی راوی محمد بن حمید رازی ہے جس کے متعلق امام جوز جانی (۱) فرماتے ہیں: كَانَ رَدِيْءَ الْمَذْهَبِ، غَيْرَ ثِقَةٍ. [احوال الرجال، ترجمہ: ۳۸۲]

''بدمذہب اور غیر ثقہ ہے۔ جس کی بات کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔''

محدث اسحاق بن منصور (۲) کہتے ہیں: میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دوں گا کہ محمد بن حمید جھوٹا تھا۔ [تاریخ بغداد ۲: ۲۶۳، تہذیب الکمال ۲۵: ۱۰۳]

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: هذه الحكاية منقطعةٌ فإن محمد بن حُميد الرازي لم يدرك

---

(۱) ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق السعدی الجوز جانی ابو اسحاق، محدثِ شام۔ حافظ حدیث تھے۔ بلخ، خراسان کے جوز جان کی طرف منسوب ہیں۔ جوز جان میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظّمہ، پھر بصرہ اور رملہ تشریف لے گئے وہاں کچھ مدت قیام کیا پھر دمشق میں رہائش اختیار کی اور وہاں ۲۵۹ھ = ۸۷۳ء کو فوت ہوئے۔ [تہذیب تاریخ دمشق ۲: ۳۱، الاعلام ۱: ۸۱]

(۲) اسحاق بن منصور بن بہرام، ابو یعقوب المروزی، المعروف بالکوسج۔ حنبلی فقیہ ہیں۔ رِجالِ حدیث میں سے ہیں۔ ''مرو'' میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ حصول علم کے لیے عراق، حجاز مقدس اور شام تشریف لے گئے۔ نیشاپور میں رہائش اختیار کی، جہاں ۲۵۱ھ = ۸۶۵ء کو وفات پا گئے۔

[طبقات الحنابلہ ۱: ۱۱۳، ترجمہ: ۱۳۳، الاعلام ۱: ۲۹۷]

مالكاً لاسيما في زمن أبي جعفر المنصور ' فإن أباجعفر توفي بمكة سنة ثمان و خمسين ومائة 'وتوفي مالك سنة تسع و سبعين ومائة ' وتوفي محمد بن حميد الرازي سنة ثمان و أربعين و مائتين ' و لم يخرج من بلده حين رحل في طلب العلم إلَّا هو كبير مع أبيه ' و هو مع هذا ضعيف عند أكثراهل الحديث ' كذبه أبوزرعة و ابن وارة ' و قال صالح بن محمد الأسدي: ما رأيتُ أحداً أجرأ على الله منه'وأحذق بالكذب منه. [مجموع الفتاوى۱:۱۹۲]

''یہ کہانی منقطع ہے اس لیے کہ محمد بن حمید رازی نے امام مالک کا زمانہ نہیں پایا اور بالخصوص ابوجعفر المنصور کے عہد میں تو ایسا بہت مشکل ہے' اس لیے کہ ابوجعفر مکہ میں ۱۵۸ ہجری کو وفات پا گئے۔ امام مالک ۱۷۹ ہجری کو وفات ہوئے اور محمد بن حمید رازی ۲۴۸ ہجری کو وفات پا گئے' جب کہ محمد بن حمید رازی اپنے والد کے ساتھ کبر سنی میں حصول علم کے لیے اپنے گاؤں سے نکلے تھے۔ پھر حدیث کا علم رکھنے والے علماء کے نزدیک محمد بن حمید ضعیف راوی ہے۔ امام ابوزرعۃ اور امام ابن وارۃ اس کو کذاب کہتے ہیں' جب کہ محدث صالح بن محمد اسدی کہتے ہیں: میں نے اللہ کے حق میں جرأت میں اور جھوٹ بولنے میں محمد بن حُمَید رازی سے زیادہ ماہر و حاذق کسی کو نہیں دیکھا۔''

بعض علماء نے علامہ سبکی اور علامہ سمہودی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی اِسناد جید ہے۔

[تسکین الصدور:۳۴۶' اِظہار الغرور فی کتاب آئینہ تسکین الصدور:۱۶۰]

کسی کذاب راوی کی روایت جید کیسی بنی؟ کذاب راوی کی روایت تو موضوع ہوتی ہے۔

علامہ سبکی نے ابن حمید کا تعین کرتے ہوئے لکھا ہے: أظُنُّ أنه أبو سفيان محمد بن حميد المَعْمَرِي ' فإنَّ الخطيب ذكره في الرواة عن مالك و أنه قال: كتب عن مالك موطأه'أرانيه......فهو ثقةٌ......فانظر هذه الحكاية و ثِقَةِ رُواتها.

[شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ﷺ:۳۵۱-۳۵۲]

''میرا خیال ہے کہ یہ راوی ابوسفیان محمد بن حمید معمری ہے جس کا ذِکر خطیب [1] نے اَلرُّوَاۃُ عَنْ مَالِكٍ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس نے امام مالک سے موطأ لکھی ہے۔ پس یہ راوی ثقہ ہے' پس تو اس حکایت اور اس کے ثقہ رُواۃ کو دیکھو۔''

اس کا جواب علامہ محمد بن احمد بن عبدالہادی [2] نے اس طرح دیا ہے: وقد أخطأ فيما ظنّه خطأ فاحشاً، فإنّ محمد بن حميدالمعمري رجل متقدمٌ، لم يدرك يعقوب بن إسحاق بن أبي إسرائيل راوي الحكاية عن ابن حميد، بل بينهمامفازةٌ بعيدةٌ، وقد روى المعمري عن هشام بن حسان ومعمر والثوري، وتوفي سنة اثنتين و ثمانين ومائة قبل أن يولد يعقوب بن إسحاق بن أبي إسرائيل.

[الصارم المنکی فی الرد علی السبکی: ۲۶۰]

''اُس نے جو گمان کیا اُس میں فاحش غلطی کا شکار ہوا' اس لیے کہ محمد بن حمید معمری متقدم ہیں' جن کا زمانہ یعقوب بن اسحاق بن اسرائیل – جو اس روایت کو اُن سے نقل کرتا ہے – نے نہیں پایا ہے بلکہ ان کے مابین ایک طویل عرصہ ہے۔ معمری تو ہشام بن حسان' معمر اور ثوری سے روایت لیتے ہیں اور انہوں نے ۱۸۲ھ کو اُس وقت وفات پائی جب کہ یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔''

---

(۱) احمد بن علی بن ثابت' بغدادی' ابوبکر' خطیب' حافظ حدیث اور مؤرخ اسلام تھے۔ ۳۹۲ھ = ۱۰۰۲ء کو غُزَیہ [بالتصغیر] میں پیدا ہوئے' جو مکہ مکرمہ اور کوفہ کے بالکل درمیان میں مساوی مسافت پر واقع ہے۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے' اور وہیں ۴۶۳ھ = ۱۰۷۲ء کو وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۸: ۲۷۰' الاعلام ۱: ۱۷۲]

(۲) محمد بن احمد بن عبدالہادی بن عبدالحمید بن عبدالہادی شمس الدین ابوعبداللہ ابن قدامہ مقدسی جماعیلی دمشقی صالحی۔ حافظ حدیث تھے۔ ادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اپنے جدِاعلیٰ کی طرف منسوب ہو کر ابن عبدالہادی کہلائے۔ ۷۰۵ھ = ۱۳۰۵ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی کے شاگرد رہے ہیں۔ ۷۰ سے اوپر کتابیں لکھیں۔ ۷۴۴ھ = ۱۳۴۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔

[الدرر الکامنۃ ۳: ۳۳۱' ترجمہ: ۸۸۸' الاعلام ۵: ۳۲۶]

امام محمد بن المنکدر ر(۱) کا قبر نبوی ﷺ پر رُخسار رکھنا

مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں: مجھے اسماعیل تیمی نے یہ روایت بیان کی کہ محمد بن المنکدر ر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھتے تو آپ پر خاموشی چھا جاتی' پھر اسی حالت میں کھڑے ہو جاتے حتّٰی کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر اپنا رخسار رکھ دیتے اور پھر واپس آ جاتے تھے۔ اُنہیں جب اس بارے میں ملامت کی گئی تو اُنہوں نے کہا کہ میرے دل میں خطرات آتے ہیں' جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو میں نبی اکرم ﷺ کے قبر سے مدد حاصل کرتا ہوں اور آپ مسجد کے صحن میں ایک جگہ جاتے تو زمین پر لیٹ جاتے اور لوٹ پوٹ ہوتے تھے' پھر جب اُنہیں اس کے بارے میں کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ: إِنِّيْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِيْ هٰذَا الْمَوْضِعِ.

[التاریخ الکبیر المعروف بتاریخ ابن ابی خیثمہ۲: ۲۵۸-۲۵۹' ترجمہ: ۲۷۷۵' فقرۃ: ۲۷۷۷' تاریخ مدینۃ دمشق ۵۶: ۵۰-۵۱' سیر اعلام النبلاء ۵: ۳۵۸-۳۵۹' ترجمہ: ۱۶۳]

''میں نے رسول اللہ کو اِس مقام پر [خواب میں] دیکھا تھا۔''

حافظ ذہبی نے اس کہانی کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: إسماعيل؛ فيه لِيْنٌ.

[تاریخ الاسلام ۳: ۵۹۲]

''اس کے راوی اسماعیل بن یعقوب تیمی میں ضعف ہے۔''

جب کہ دوسرے محدثین بھی اسماعیل بن یعقوب تیمی کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔

[الجرح والتعدیل ۲: ۲۰۴' ترجمہ: ۶۹۰]

حافظ ذہبی نے اس کو کتاب الضعفاء والمتروکین صفحہ: ۳۸' ترجمہ: ۴۵۸ میں ذکر کیا ہے۔

---

(۱) محمد بن المنکدر ر بن عبداللہ بن ہُدَیر بن عبدالعزیٰ قرشی تیمی: تیم بن مرۃ' مدنی۔ زاہد و عابد تھے۔ رجال حدیث سے ان کا تعلق تھا۔ ۵۴ھ = ۶۷۴ء کو پیدا ہوئے۔ بعض صحابہ سے ملاقات کی اور اُن سے حدیث روایت کی۔ لگ بھگ دوسو کے قریب احادیث روایت کیں۔ ثقہ اور قوی تھے۔ ۱۳۰ھ = ۷۴۸ء کو وفات پائی۔ [تاریخ الاسلام ۳: ۵۹۱' ترجمہ: ۲۱۸۴' الاعلام ۷: ۱۱۲]

امام مسلم (۱) کی وفات کیسے ہوئی؟

محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری (۲) کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ محمد بن یعقوب سے سنا اور اُنہوں نے احمد بن سلمۃ سے سنا کہ امام مسلم بن حجاج قشیری کے لیے ایک مجلسِ مذاکرہ منعقد کی گئی جس میں اُن کے سامنے ایک حدیث بیان کی گئی جسے اُنہوں نے نہیں پہچانا، پھر وہ اپنے گھر تشریف لے گئے اور چراغ جلالیا اور گھر والوں نے کہا: اِس کمرے میں تم میں سے کوئی بھی داخل نہ ہو۔ آپ اپنی کتابوں میں اُس حدیث کو تلاش کرنے لگے۔ اُن سے کہا گیا کہ ہمارے پاس کھجور کی ایک ٹوکری بطورِ تحفہ آئی ہے۔ آپ نے فرمایا اُسے میرے پاس لاؤ۔ وہ ٹوکری اُن کے پاس لائی گئی۔ آپ حدیث تلاش کرتے رہے اور ایک ایک کھجور چبا کر کھاتے رہے۔ صبح ہوئی تو کھجوریں ختم ہوگئی تھیں اور حدیث بھی مل گئی۔ محمد بن عبداللہ [امام حاکم] کہتے ہیں کہ: زَادَنِي الثِّقَةُ مِنْ أَصْحَابِنَا أَنَّهُ مِنْهَا مَاتَ.

[تاریخ بغداد ۱۳: ۱۰۴، ترجمہ: ۷۰۸۹]

''مجھے ایک ثقہ نے مزید بتایا کہ وہ ان کھجوروں کے کھانے سے فوت ہو گئے تھے۔''

---

(۱) مسلم بن حجاج بن مسلم، قشیری، نیشاپوری، ابوالحسین، ۲۰۴ھ = ۸۲۰ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ کبار ائمہ اور حفاظ حدیث میں سے تھے۔ حجاز، شام اور عراق کے سفر کیے۔ نیشاپور ہی میں ۲۶۱ھ = ۸۷۵ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۵: ۱۹۴، الاعلام ۷: ۲۲۱]

(۲) محمد بن عبداللہ بن حمدوَیہ بن نعیم، ابوعبداللہ، حاکم نیشاپوری، نیشاپور میں ۳۲۱ھ = ۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ ۳۴۱ھ کو عراق گئے اور اسی سال فریضہ حج ادا کیا۔ ۳۵۹ھ کو نیشاپور کے قاضی مقرر ہوئے اور اسی وجہ سے حاکم لقب پڑ گیا، ان کی اکثر تصانیف حدیث اور علومِ حدیث سے متعلق ہیں۔ نیشاپور ہی میں ۴۰۵ھ = ۱۰۱۴ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۵: ۴۷۳، الاعلام ۶: ۲۲۷]

یہ قصہ مردود وضعیف ہے اس لیے کہ معلوم نہیں کہ ثقہ کون ہے؟ اس کا کوئی اتا پتا نہیں جب کہ مصطلح الحدیث کا مشہور قاعدہ ہے کہ: فَإِنْ لَّمْ يُسَمِّهِ أو قال: "أخبرني الثقة" أو "مَنْ لَّاأَتَّهِمُهُ" لم يكن حجة في صحة النقلِ وقبولِ الرواية.

[النکت علیٰ مقدمۃ ابن الصلاح: ۱۲۷، نوع: ۴، معرفۃ المسند]

"اگر کسی راوی کا نام نہ لیا جائے یا "أخبرني الثقةُ" یا "مَنْ لَّاأَتَّهِمُهُ" کہے تو یہ حدیث کی صحت اور روایت کو قبول کرنے کے لیے حجت ودلیل نہیں بن سکتا۔"

امام نسائی (۱) کی وفات کیسے ہوئی؟

امام حاکم لکھتے ہیں: مجھے محمد بن اسحاق اصبہانی (۲) نے روایت بیان کی کہ میں نے مصر میں اپنے اساتذہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: أنَّ أبـاعبدالرحمن فَارَقَ مصرفي آخرعمره وخرج إلـى دمشق فسُئل بها عن معاوية بن أبي سفيان و ما رُوي من فضائله فقال: لا يرضى معاوية رأسا برأس حتى يفضل ؟ قال: فما زالوا يدفعون في حضنيه حتى أخرج من المسجد ثم حمل إلى الرملة ومات بهاسنة ثلاث وثلاث مائة ' وهو مدفون بمكة . [معرفۃ علوم الحدیث' مطبوعہ ہند: ۸۳' مطبوعہ بیروت: ۲۸۲-۲۸۳' روایت: ۱۸۲]

''ابوعبدالرحمٰن نَسائی نے آخری عمر میں مصر کو الوداع کہا اور دمشق چلے گئے۔ وہاں اُن سے سیدنا معاویہ بن سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہما اور اُن کے بارے میں وارِد فضائل کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا: کیا سیدنا معاویہ ﷛ اس پر راضی نہیں کہ اُن کا معاملہ برابر

---

(۱) احمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار' ابوعبدالرحمٰن نسائی' قاضی اور حافظِ حدیث تھے۔ خراسان کے نَسَاء نامی گاؤں میں ۲۱۵ھ = ۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے لیے لمبے لمبے سفر کیے۔ مصر میں رہائش پذیر ہوئے۔ وہاں کے مشائخ نے ان سے حسد کرنا شروع کیا اور انہیں رملہ جانے پر مجبور کیا۔ ۳۰۳ھ = ۹۱۵ء کو وفات پائی۔ بیت المَقدِس میں دفن کیے گئے۔
[وفیات الاعیان ۱: ۷۷-۷۸' تذکرۃ الحفاظ ۲: ۶۲۸' الاعلام ۱: ۱۷۱]

(۲) محمد بن اسحاق بن محمد بن یحییٰ' ابن مندہ' ابوعبداللہ العبدی [عبد یالیل کی طرف منسوب] اصبہانی۔ ۳۱۰ھ = ۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے بہت سفر کیے۔ اپنے زمانے کے بہت بڑے حافظِ حدیث تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سترہ سو اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ ۳۹۵ھ = ۱۰۰۵ء کو وفات پائی۔
[طبقات الحنابلہ ۲: ۱۶۷' الاعلام ۶: ۲۹]

سرابرہو چہ جائے کہ انہیں فضیلت دی جائے[1]؟ پھر کہا: لوگ اُنہیں سینے [یاخصیوں] پر مارتے رہے حتی کہ اُنہیں مسجد سے نکال دیا گیا پھر اُنہیں اُٹھا کر رملہ[2] لے جایا گیا جہاں

---

(۱) حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں: وهذه الحكايةُ لاتدُلُّ على سوء اعتقاد أبي عبد الرحمٰن في معاوية بن أبي سفيان، و إنما تَدُلُّ على الكَفِّ عن ذِكرِهِ بكلِ حالٍ، فقد رُوي عن أبي عبدالرحمٰن النسائي عن معاوية بن أبي سفيان صاحبِ رسولِ الله ﷺ فقال: إنما الإسلامُ كدارٍ لها بابٌ، فبابُ الإسلام الصحابة، من آذى الصحابة إنما أراد الإسلام، كمن نَقَرالبابَ إنما يريد دخولَ الباب. قال: فمن أرادَ معاوية فإنما أرادالصحابة.

[تاریخ ابن عساکر ۷۱: ۱۷۵-۱۷۶، ترجمہ: ۹۶۵۰، مختصر تاریخ لابن عساکر، از ابن منظور ۳: ۱۰۳، تہذیب الکمال ۱: ۳۳۸، سیر اعلام النبلاء ۱۴: ۱۳۲-۱۳۳]

''یہ حکایت اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ سیدنا معاویہ ؓ کے بارے میں امام نسائی کچھ برا عقیدہ رکھتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا معاویہ ؓ کے بارے میں بہرحال خاموش رہا جائے اس لیے کہ امام نسائی ہی سے سیدنا معاویہ ؓ کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ اسلام ایک گھر جیسا ہے اور اس کا دروازہ صحابہ کرام ؓ ہیں۔ صحابہ کرام ؓ کو اذیت دینے والا اصل میں اسلام کو نقصان دینا چاہتا ہے یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ دروازہ پر دستک والا گھر کے اندر داخل ہونا چاہتا ہے۔ سیدنا معاویہ ؓ کو بری نظر سے دیکھنے والا اصل میں سارے صحابہ کرام ؓ کو بری نظر سے دیکھتا ہے۔''

(۲) امام نسائی کے شاگرد علامہ ابن یونس صدفی مصری لکھتے ہیں: كان إمامًافي الحديث، ثقةً ثبتًا حافظًا، و كان خروجه من مصر في ذي القعدة سنة اثنتين و ثلاثمائة و توفي بفلسطين يوم الإثنين لثلاث عشرة خلت من صفر سنة ثلاث و ثلاثمائة.

[تاریخ ابن یونس مصری = تاریخ الغرباء ۲: ۲۴، ترجمہ: ۵۵]

''امام نسائی حدیث میں امام، ثقہ، ثبت اور حافظ تھے۔ آپ ذوالقعدہ ۳۰۲ھ کو مصر سے روانہ ہوئے اور ۳۰۳ھ بروز سوموار فلسطین میں فوت ہوئے۔''

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: قلتُ: هذا أصح، فإنَّ ابن يونس حافظٌ يقِظٌ، و قد أخذ عن النسائي و هو به عارفٌ. [سیر اعلام النبلاء ۱۴: ۱۳۳]

''میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں: یہ سب سے زیادہ صحیح قول ہے اس لیے کہ ابن یونس نہایت بیدار حافظ ہیں اور چونکہ امام نسائی کے شاگرد رہے ہیں اس لیے وہ دوسرے لوگوں کی بنسبت اُن کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں۔''

۱۳۴۳ ہجری کو وفات پا گئے۔ آپ مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔

اس روایت کا سارا دارومدار ''مشائخنا'' پر ہے جن میں سے کسی ایک کا نام بھی مذکور نہیں اس لیے یہ روایت رُواۃ کے مجہول ہونے کی وجہ سے مردود اور نا قابل استدلال ہوئی اور امام نَسائی کی طرف منسوب یہ واقعہ محض زیب داستان کے لیے ہے اور بس!

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عدل کا ایک واقعہ

کہا جاتا ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (۱) مصر کے گورنر تھے تو گورنر کے بیٹے نے ایک مصری لڑکے سے گھڑ دوڑ میں شرط لگائی۔ مصری لڑکا جیت گیا تو گورنر کے بیٹے نے اُس کی پٹائی کر دی اور کہا تو اِبْنُ الْأَکْرَمِیْنَ "بڑے لوگوں کے بیٹے" سے کیسے جیت سکتا ہے؟ اُسے یقین تھا کہ وہ غریب مصری لڑکا اُس سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ مصری لڑکے کا والد اپنے مضروب بیٹے کو لے کر مدینہ منورہ پہنچا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ تمام ماجرا سنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بیٹے سمیت مدینہ منورہ حاضر ہونے کا حکم دیا پھر جب سب لوگ حاضر ہو گئے تو امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مصری لڑکے کو کوڑا پکڑوایا اور اُسے حکم دیا کہ وہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو مارے اور اُس سے اپنا بدلہ لے اُس نے مارنا شروع کیا اور ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: إِضْرِبْ ابْنَ الْأَلْیَمِیْنِ، قال أنس: فضربَ، فواللّٰہِ لقد ضربه، ونحنُ نحبُّ ضربَهُ فما أقلعَ عنه حتى تَمَنَّيْنَا أنه يرفعِ عنهُ، ثم قال عمر رضی اللہ عنہ للمصري: ضَعْ على ضِلْعَةِ عَمْرٍو، فقال: يا أمير المؤمنين! إنما ابنه الذي ضربني وقد اشتَفَيْتُ منه، فقال عمر لـلعمرو: مُذْ كَمْ تَعَبَّدْتُّمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أحرارًا؟ قال: يا أميرَ المؤمنين! أَعْلَمْ، و لم يأتيني. [فتوح مصر والمغرب، ابن عبد الحکم ۲: ۱۶۷-۱۶۸، کنز العمال ۱۲: ۶۶۰-۶۶۱، روایت:

---

(۱) عمرو بن العاص بن وائل سہمی قرشی ابو عبد اللہ فاتح مصر رضی اللہ عنہ۔ ۵۰ ق ھ = ۵۷۴ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں اسلام کے شدید مخالفین میں سے تھے۔ صلح حدیبیہ کے دوران اسلام قبول کیا۔ صاحبِ رائے، بہادر، نڈر اور بہت محتاط تھے۔ غزوۂ ذات السلاسل میں مسلمانوں کے امیر الجیش تھے۔ حروب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ قنسرین آپ نے فتح کیا تھا۔ اہل حلب، منبج اور اہل انطاکیہ سے آپ نے صلح کیا تھا۔ ۴۳ھ = ۶۶۴ء کو وفات پائی۔ [الاصابہ ۳: ۲، ترجمہ: ۵۸۸۲، الاعلام ۵: ۷۹]

۳۶۰۱۰' حیاۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہ ۲:۶۸' محمد یوسف کاندھلوی]

''اِبْنَ الْأَلْيَمِيْنِ کو مارو۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ (۱) فرماتے ہیں: اُس نے مارا اور ہم چاہتے تھے کہ اُسے مارا جائے۔ اُس نے اُسے خوب مارا یہاں تک کہ ہم اس بات کی تمنا کرنے لگے کہ کاش وہ اُس سے دور ہو پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُس لڑکے سے فرمایا: اب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی چندیا پر مارو اس پر وہ لڑکا بولنے لگا کہ امیر المؤمنین! ان کے بیٹے نے مجھے مارا ہے جس سے بدلہ لے کر میں نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام سمجھا ہے جب کہ اُن کی ماؤں نے تو اُنہیں آزاد جنا ہے؟ اس پر سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جانتا ہوں لیکن یہ شخص میرے پاس نہیں آیا ہے۔''

یہ قصہ ''عدل عمر فاروق رضی اللہ عنہ'' کے خوب صورت اور عمدہ عنوان کے ساتھ کئی درسی اور غیر درسی کتابوں میں درج ہے۔ کئی کئی دفعہ ہم نے اسے سنا بھی ہے اور سنایا بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، یہ کہانی موضوع اور من گھڑت ہے اور اس میں عدل فاروقی کا نہیں بلکہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی تبرا اور اُن کا سب ذکر ہو رہا ہے۔ آیئے! اس کا تحقیقی اور علمی جائزہ لیں۔ امام ابن عبدالحکم (۲) نے اس کو اِس سند کے ساتھ درج کیا ہے: حُدِّثْنَا عن

---

(۱) انس بن مالک بن نضر بن ضمضم رضی اللہ عنہ' نجاری' خزرجی' انصاری' ابو ثمامہ یا ابو حمزہ۔ بلند رُتبہ صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ مرویات کی تعداد ۲۲۸۶ ہے۔ مدینہ منورہ میں ۱۰ ق ھ = ۶۱۲ء کو پیدا ہوئے بچپن میں اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ان کی خدمت کرتے رہے۔ دمشق اور بصرہ میں رہائش پذیر رہے۔ بصرہ میں ۹۳ھ = ۷۱۲ء کو وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے آپ سب سے آخری صحابی ہیں۔ [اسد الغابۃ :۳۰۷' ترجمہ: ۲۵۸' الاعلام ۲:۲۴]

(۲) عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم بن اعین بن لیث بن رافع' ابو القاسم مصری۔ فقیہ و مؤرخ تھے۔ حدیث سے خاص شغف تھا۔ مصر میں پیدا ہوئے۔ تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں ۲۵۷ھ = ۸۷۱ء کو مصر ہی میں وفات پائی۔ [تاریخ ابن یونس مصری ۱:۳۰۷' ترجمہ: ۸۲۵' الاعلام ۳:۳۱۳]

أبي عبدة عن ثابت البُناني و [حُدِّثْنَا عن] حميد عن أنس رضي الله عنه.

[فتوح مصر والمغرب ۲:۱٦۷]

''ہمیں ابو عبدة سے، ثابت بنانی کی روایت سے روایت کی گئی ہے اور ہمیں حمید کی سند سے سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کی گئی ہے کہ......''

-۱: سوال یہ ہے کہ ابو عبدة سے روایت کرنے والا کون ہے؟ امام ابن عبد الحکم نے اُن کا نام نہیں لیا اس لیے یہ راوی مجہول ٹھہرا۔

-۲: ابو عبدة، ثابت بن اسلم بنانی کے شاگرد بھی نہیں۔ تہذیب الکمال ۴: ۳۴۴-۳۴٦' ترجمہ: ۸۱۱ کے تحت اُن کے ۱۰۴ شاگردوں کے تذکرہ میں ابو عبدة کا نام نہیں اسی طرح حُمید بن ابی حمید طویل کے ۳۷ شاگردوں کی فہرست میں بھی اُن کا نام موجود نہیں۔

[تہذیب الکمال ۷: ۳۵٦-۳۵۸' ترجمہ: ۱۵۲۵]

اس لیے اس روایت میں دو مقامات پر انقطاع ثابت ہوئی۔

-۳: ابو عبدة کا نام یوسف بن عبدة ہے اس نے حمید اور ثابت کی سند سے منکر روایتیں نقل کی ہیں یہ قوی راوی نہیں۔ [الجرح والتعدیل ۹: ۲۲٦' ترجمہ: ۹۴۷]

-۴: اس کے متن میں بھی نکارت ہے۔ قرآن مجید جو ایک ابدی اور لاریب کتاب ہے، یہ کتاب اعلان کرتا ہے کہ: ﴿مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ [سورة بنی اسرائیل ۱۷: ۱۵]

''جو کوئی راہ پر آیا تو اپنے ہی واسطے راہ پر آیا اور جو کوئی بہکا رہا تو اپنے ہی برے کو بہکا رہا اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر (۱) نے لکھا ہے کہ: أي: لَا یَحْمِلُ أَحَدٌ

---

(۱) اسماعیل بن عمر بن کثیر' قرشی' دمشقی' ابو الفداء' عماد الدین' حافظ' مورخ اور فقیہ تھے۔ بُصریٰ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ۷۰۱ھ=۱۳۰۲ء کو پیدا ہوئے۔ ۷۰٦ھ کو اپنے بھائی کے ہمراہ دمشق تشریف =

ذَنْبَ أَحَدٍ، وَلَا يَجْنِيْ جَانٌ إِلَّا عَلٰى نَفْسِهٖ. [تفسیر القرآن العظیم ۸: ۴۴۵]

''یعنی کوئی بھی شخص دوسرے کا گناہ نہیں اُٹھائے گا اور کوئی گنہ گار جو گناہ کرتا ہے تو اُس کا بوجھ اسے ہی اُٹھانا پڑے گا۔''

-۵: ''ابْنَ الْأَلْيَمِيْنِ کو مارو'' اس میں یہ جملہ تو نہایت خلط اور خطرناک ہے۔ اَللَّئِیْم عربی زبان میں رذیل اور کمینہ کو کہتے ہیں۔ کیا ایسی زبان ایک خلیفہ راشد کے شایانِ شان ہے؟ ہمارا جواب تو نفی میں ہے نیز سوال یہ ہے کہ آسمان عدل کا درخشندہ ستارہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ کیسے کر سکتے ہیں کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ حکم دے کہ اس کے سر پر مارو جس کے جواب میں وہ مصری لڑکا کہہ رہا ہے کہ مجھے تو اس نے نہیں بلکہ اس کے بیٹے نے مارا ہے۔ یہ وہی تبرائی ذہن ہے جس کا رونا ہم رو رہے ہیں۔ کیا ایک مصری قبطی لڑکا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہوشیار ہے جو ایک خلیفہ راشد کو گویا یہ بتانے جا رہا ہے کہ قرآن مجید تو آپ کی کتاب ہے مگر اسے ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں اسے کہتے ہیں ایک تیر تین شکار! ایک ایسا جھوٹا قصہ وضع کیا جسے سانپ کی دھاری دار اور خوب صورت چمڑی کی طرح جاذبِ نظر بنا لیا اور اندر زہر بھر لیا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عدل کے خوب صورت عنوان کے تحت اسے ذکر کیا گیا تاکہ اُنہیں قرآن مجید سے بے خبر اور رعایا پر ظلم کرنے والا ثابت کیا جائے اور بتایا جائے کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا صحابی فرزند سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ظالم تھا!

کاش! فضائل بیان کرنے والے لوگ ذرا یہ سوچتے کہ ہم جسے فضیلت سمجھتے ہیں کیا وہ فضیلت ہے یا قباحت اور تبرا ہے؟

...... لے گئے۔ طلب علم میں لمبے لمبے سفر کیے۔ ۷۷۴ھ = ۱۳۷۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔
[البدر الطالع ۱: ۱۵۳، الاعلام ۱: ۳۲۰]

اُویس قرنی (۱) نے اپنے دانت توڑ دیے

کہا جاتا ہے کہ جب غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید کیے گئے اور اُویس قرنی کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی اپنے دانت توڑ لیے۔

اس کہانی کو سب سے پہلے فریدالدین عطار (۲) نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: أنتما من مُحِبّي محمد ﷺ فهل كسرتم شيئًا مِن أسنانكم كما كُسِرَ سِنُّهُ عليه السلام ؟ قالا: لا ! فقال: إنِّيْ قد كَسَرْتُ بعضَ أسناني موافَقَةً له. [تذکرۃ الاولیاء: ۲۰۷]

"[اُویس قرنی نے سیدنا عمر اور سیدنا علی (۳) رضی اللہ عنہما سے پوچھا] تم دونوں تو محبین محمد ﷺ میں

---

(۱) اویس بن عامر بن جزء بن مالک قرنی۔ بنو قرن بن ردمان بن ناجیہ بن مراد سے تعلق تھا۔ عابد اور زاہد تھے۔ ان کا شمار سادات تابعین میں ہوتا ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک وفد میں آئے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ حافظ ابونعیم لکھتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آذربیجان کی لڑائی سے واپسی کے دوران فوت ہوئے۔ [حلیۃ الاولیاء ۲: ۸۳] جب کہ بعض کا خیال ہے کہ جنگ صفین میں شہادت پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۴: ۳۱' الاعلام ۲: ۳۲]

(۲) فریدالدین ابو حامد محمد بن ابی بکر ابراہیم بن ابی یعقوب اسحاق العطار۔ فارسی کے صوفی شاعر۔ ان کا سال ولادت اور سال وفات یقینی طور پر متعین نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ اُن کی ولادت ۵۱۳ھ = ۱۱۱۹ء کو ہوئی۔ عام خیال یہ ہے کہ ۶۲۷ھ = ۱۲۳۰ء کو مغول کے ہاتھوں نیشاپور میں قتل کیے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُنہوں نے ۱۱۴ برس کی عمر پائی۔

[اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۳: ۳۷۹]

(۳) علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب' ہاشمی' قرشی' نبی ﷺ کے چچازاد اور داماد تھے۔ چوتھے خلیفہ راشد' سابقون اولون اور عشرۃ مبشرۃ میں سے ہیں۔ مکہ معظّمہ میں ۲۳ ق ھ = ۶۰۰ء کو پیدا ہوئے اور رسول اللہ ﷺ ......

سے ہو تو کیا تم نے اپنے دانت توڑ لیے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے دانت توڑے گئے؟ انہوں نے کہا: نہیں! اُویس نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی موافقت میں اپنے کچھ دانت توڑ لیے ہیں۔"

یہ محض ایک کہانی ہے جس کی بنیاد کسی سند پر نہیں رکھی گئی ہے اس لیے کہ اُویس قرنی اور فریدالدین عطار کے درمیان کئی سو سال کا فاصلہ ہے۔ فریدالدین عطار کو یہ کہانی ان الفاظ میں کہاں سے ملی؟ اس کے راوی کون ہیں؟ ثقہ ہیں یا ضعیف اور وَضّاع؟ کچھ نہیں معلوم! نیز اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہتک اور بے عزتی کی بو آ رہی ہے۔

نیز یہ کوئی سنت نہیں کہ اس کی پیروی اور اطاعت کی جائے اور اگر سنت ہوتی تو سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر عمل پیرا ہوتے' اس لیے کہ:

وأمّا أهل السُّنَّةِ والجَماعة فيقولون في كُلِّ فعلٍ وقولٍ لم يثبت عن الصحابة رضي الله عنهم هو بدعةٌ ، لأنَّه لَوْ كان خيرًا لَّسبقُونا إليه ، لأنهم لم يتركوا خَصْلةً مِنْ خِصَال الْخَيْرِ إلَّا وَقَدْ بَادَرُوْا إليها. [تفسیر ابن کثیر ۱۳:۱۲' تفسیر سورۃ الاحقاف ۴۶:۱۱]

"اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ جو قول وفعل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو' اس کو سرانجام دینا بدعت ہے' اس لیے کہ اگر وہ کوئی نیک کام ہوتا تو سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے سر انجام دیتے اور اس پر عمل کرتے' اس لیے کہ انہوں نے نیکی کے کسی پہلو اور کسی نیک اور عمدہ خُو اور خصلت کو تشنہ عمل نہیں چھوڑا' بلکہ وہ ہر نیک کام میں کوئے سبقت لے گئے۔"

ملا علی قاری (۱) لکھتے ہیں کہ: ثُمَّ اعلَم أنَّ ما اشتَهَرَ على أَلْسِنَةِ العامةِ مِنْ: أنَّ أُويسًا

......کے سایہ عاطفت میں پلے بڑھے۔ ۳۵ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ = ۶۶۱ء کو شہادت پائی۔ [الاستیعاب: ۵۲۷' ترجمہ: ۱۸۶۶' الاعلام ۴: ۲۹۵]

(۱) ملا علی قاری بن سلطان محمد' نورالدین' حنفی فقیہ تھے۔ ہرات میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۰۱۴ھ = ۱۶۰۶ء کو وفات پائی۔ سال میں ایک مصحف لکھ کر اسے فروخت کر کے اس پر گزر اوقات کیا کرتے تھے۔ [البدر الطالع ۱: ۴۴۵' الاعلام ۵: ۱۲]

قَلَعَ أسنانَهُ لِشِدَّةِ أحْزَانِه حينَ سَمِعَ أنَّ سِنَّ رسولِ اللّٰه ﷺ أصيبَ يومَ أُحُدٍ ولم يَعْرِفْ خُصوصَ أيِّ سِنٍّ كان بوجهٍ معتمَدٍ فلا أصلَ له عند العلماءِ، مع أنه مخالفٌ للشريعةِ الغرَّآءِ. ولذا لم يفعلهُ أحَدٌ من الصَّحابةِ الكُبَرآءِ، على أنَّ فعلَهُ هذا عَبَثٌ لايَصْدُرُ إلَّاعنِ السُّفهآءِ، كذا لايَثْبُتُ نسبةُ الخِرْقَةِ النبويَّةِ إليه، ومنه إلى بعضِ المشايخِ بمالايُعتَمَدُعليه، وكذا تلقينُ الذِّكرِ الخَفِيِّ أوِ الجَلِيِّ، ونسبتُهُ إلى النبي ﷺ من طريق أبي بكروعمر، لايَصِحُّ عندأهلِ الخُبْرِ بالأحاديثِ السِّيَرِ، بل و لايثبُتُ بين عليٍّ و الحسنِ البصري مادَّةُ الإجتماعِ مع كونهما في عصْرٍ واحدٍ بالإجماع؛ و كذا طريقُ المُصافَحةِ الخَاصَّةِ المسلسلةِ على ما يَدَّعيه بعضٌ في السلسلةِ و جعلوهُ للعامةِ مادَّةَ المَشْغَلَةِ ليس له نسبةٌ مُتَّصِلَةٌ.

[المَعدَنُ العدَني في فضل أويس القرني، ضمن مجموعة رسائل العلامة الملاعلى القارى ۲:۳۶۸-۳۶۹، رسالہ:۱۷]

"جان لو کہ یہ جو زبان زدِ عام ہے کہ اویس قرنی نے جب سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے دانت غزوۂ احد میں شہید ہو گئے ہیں تو انہوں نے شدتِ غم کے سبب اپنے دانت توڑ ڈالے اور چونکہ متعین نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے کون کون سے دانت شہید ہوئے تھے اس لیے اپنے سارے دانت توڑ دیے، سو علماء کے نزدیک اِس کی کوئی اصل واَساس نہیں اور پھر یہ بھی ہے کہ یہ شریعت کے خلاف بھی ہے اس لیے کسی بھی صحابی نے اپنے دانت نہیں توڑے۔ یہ ایک ایسا بے ہودہ کام ہے جو بے وقوف ہی سے سرزد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اویس قرنی کو خرقہ نبویہ کی نسبت اور اُویس سے دوسرے مشایخ کو اس کا ملنا بھی نا قابل اعتماد ہے۔ اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق (۱) اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی طرف

(۱) ابوبکر صدیق [عبداللہ] بن ابی قحافہ [عثمان] رضی اللہ عنہما بن عامر، تیمی، قرشی، بالغ مردوں میں سب سے اول اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ پہلے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ کے والد، والدہ، بیوی اور اولاد......

سے اویس قرنی کو ذکرِ خفی وجلی کی تلقین بھی حدیث وسیر کے علماء کے نزدیک صحیح اور ثابت نہیں بلکہ علماء کا اجماع ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اویس قرنی کی ملاقات ہی ثابت نہیں اگرچہ یہ دونوں ایک زمانہ میں موجود تھے اسی طرح سلسلہ طریقت کے لوگوں کا ایک طریقہ جسے الْمُصَافَحَةُ الْمُسَلْسَلَةُ کہا جاتا ہے اور جسے لوگوں کو مشغول رکھنے کا ایک ذریعہ بنایا ہے، اس کی کوئی متصل سند موجود نہیں۔''
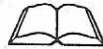
...... سب صحابہ ہیں، یہ فضیلت آپ کے علاوہ کسی اور صحابی کو حاصل نہیں ہے۔ ۵۱ قبل ہجری = ۵۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی نہ بت پرستی کی اور نہ شراب کو منہ لگایا۔ ۱۱ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۱۳ھ = ۶۳۴ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئے، ان کی مدت خلافت ۲ سال ۳ ماہ اور ۱۵ دن ہے۔ آپ کی مرویات ۱۴۲ ہیں۔ [اسد الغابۃ: ۷۰۰، ترجمہ: ۳۰۶۷، الاعلام ۴: ۱۰۲]

ایک اَعرابی کا اِستشفاع عند القبر

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا اور اس کی وجہ سے بے حد تکلیف پیش آئی۔ گاؤں کا رہنے والا ایک شخص [اَعرابی] رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ آپ کی امت نہایت تکلیف میں ہے اور اس کی ہلاکت اور بربادی کا خطرہ ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے۔ آپ کی قبر کے پاس دعاء کر کے یہ شخص چلا گیا۔ رات کو خواب میں رسول اللہ ﷺ اس شخص سے ملے اور فرمایا کہ عمر کے پاس جاؤ اور اس سے میرا سلام کہو اور یہ خبر دے دو کہ اِن شآء اللہ تعالیٰ بارش ہوگی اور عمر سے کہہ دو کہ وہ عقل مندی ہی کو لازم پکڑے۔ صبح ہوئی تو وہ شخص عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب کا یہ سارا ماجرا اُن کو سنا دیا۔ یہ خبر سن کر [مارے خوشی کے] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا کہ میرے رب!! جو چیز میرے بس میں ہے اُس کے بارے میں تو کبھی میں نے کوتاہی نہیں کی۔

[مصنف ابن شیبۃ ۱۷:۶۴' حدیث: ۳۲۶۶۵' سماع الموتی :۱۱۶]

اس روایت کی سند کی صحت پر بڑا زور دیا جاتا ہے' جس پر ہمارا اصاد ہے۔ ہم بھی اس کی سند کو صحیح مانتے ہیں لیکن اِسناد کا صحیح ہونا روایت کو قبول کرنے کے لیے کافی نہیں بلکہ اِسناد کے صحیح ہونے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا متن صحیح' معروف اور غیر منکر ہو' حالانکہ یہ متناً منکر ہے اس لیے کہ:

– سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حدیث کے بارے میں نہایت حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے' چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: فیاأخي !إنْ أحببتَ أن تعرفَ هذا الإمام حقَّ المعرفة فعليك بكتابي "نعم السَّمرفي سيرة عمر رضی اللہ عنہ" فإنه فارقٌ بين المسلم و الرافضي' فو اللّٰه ما

يَغُضُّ مِن عمر إلاّ جاهلٌ دائصٌ أو رافضيٌ جائرٌ ' وأين مثل أبي حفص ؟ فمادَارَ الفَلكُ على مثلِ شكل عمر رضي الله عنه وهو الذى سَنَّ للمحدثين التثبت في النقل' وربما كان يتوقفُ في خبر الواحد إذاارتاب. [تذکرة الحفاظ ۶:۱]

''میرے بھائی! اگر آپ اس امام کے بارے میں صحیح علم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میری کتاب نعم السمر فی سیرۃ عمر رضی اللہ عنہ کا مطالعہ کیجیے' جو مسلمان اور رافضی کے مابین تمیز اور جدائی کرنے والی ہے۔ اللہ کی قسم! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ کوئی جاہل ومتکبر یا کوئی ظالم رافضی گھٹائے گا۔ سیدنا ابوحفص رضی اللہ عنہ جیسے لوگ کہاں ہیں؟ فلک نے عمر رضی اللہ عنہ جیسا کوئی نہیں دیکھا ہوگا اور آپ ہی نے محدثین کے لیے خبر واحد کو نقل کرنے کی جانچ پڑتال کا اصول وضع کیا اور جب اُنہیں خبر واحد میں کسی قسم کا شک ہوجاتا تو آپ اُس کو قبول کرنے میں توقف کرتے تھے۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روایات واحادیث کے سلسلے میں نہایت حزم واحتیاط سے کام لیا۔ آپ سے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۱) کی استیذان سے متعلق روایت کو اُس وقت تسلیم کیا جب سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (۲) نے اُن کی تائید فرمائی۔

[صحیح بخاری' کتاب البیوع [۳۴] باب الخروج فی التجارۃ [۹] حدیث: ۲۰۶۲' کتاب الاستیذان [۷۹] باب التسلیم والاستیذان ثلاثاً [۱۳] حدیث: ۶۲۴۵' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [۲۲] باب الحجۃ علی

---

(۱) عبداللہ بن قیس بن سُلیم بن حضّار' قحطان قبیلہ کی شاخ بنواَشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ ۲۰'۲۱ قبل ہجری کو زبید [یمن] میں پیدا ہوئے۔ ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ حبشہ ہجرت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں زبید' عدن اور ساحل یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُنہیں ۱۷ ہجری کو کوفہ وبصرہ کا والی مقرر کیا۔ اصبہان اور اہواز آپ نے فتح کیے ہیں۔ ۴۴ھ = ۶۶۵ء کو مکہ میں وفات پائی۔ آپ سے ۳۵۵' احادیث روایت کی گئی ہیں۔ [الاصابہ ۲:۳۵۹' الاعلام ۴:۱۱۴]

(۲) سعد بن مالک بن سنان' ابوسعید' خدری' انصاری' خزرجی' جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۱۰ ق ھ = ۶۱۳ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں اکثر وبیشتر حاضر رہتے۔ بارہ غزوات میں حصہ لیا۔ ۷۴ھ = ۶۹۳ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ [اسد الغابۃ: ۱۳۳۴' ترجمہ: ۵۹۶۳' الاعلام ۳:۸۷]

مَن قال: اَن احکام النبی ﷺ کانت ظاهرةً [۲۲] حدیث:۷۳۵۳، صحیح مسلم، کتاب الآداب [۳۸] باب الاستیذان [۷] حدیث ۲۱۵۳]

ایک روایت میں ہے: أن عمر رضی اللہ عنہ قال لأبي موسی رضی اللہ عنہ: أما إني لم أتّهِمك و لكني أردت ألّا يتجرأ الناس على الحديث عن رسول الله ﷺ.

[موطا امام مالک ۲:۹۶۴، کتاب الاستئذان [۵۴] باب الاستئذان [۱] حدیث:۳]

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں اس معاملے میں آپ پر بدگمانی نہیں کرتا لیکن میں چاہتا ہوں کہ لوگ رسول اکرم ﷺ پر جھوٹی احادیث وضع نہ کریں۔''

جب کہ زیرِ نظر حدیث میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک آدمی [رَجُل] کے اس قول کو بلا چوں وچرا تسلیم کرتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجماع اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر اس طرح کا اِستشفاع جائز ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو باہر لے جا کر بارش کے لیے اُن سے دعاء نہ کرتے اور نہ یہ کہتے کہ اب نبی اکرم ﷺ موجود نہیں ہیں اس لیے ہم آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء سے توسل کرتے ہیں یہ چیز اس روایت کو مشکوک بنا دیتی ہے۔

تنبیہ

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر (۱) اُس اعرابی [رَجُل، ایک نامعلوم شخص] کے بارے میں لکھتے ہیں: ''طبری ۴:۱۹۹ اور البدایۃ والنہایۃ [۷:۸۸] وغیرہ کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ خواب دیکھنے والے یہ اَعرابی بزرگ سیدنا بلال بن حارث مزنی

---

(۱) محمد سرفراز خان صفدر بن نور احمد خان بن گل احمد خان، سواتی، مندراوی۔ ۱۹۱۴ء کو ڈھکی چیڑاں داخلی کڑمنگ بالا، تحصیل مانسہرہ، ضلع ہزارہ، پاکستان میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں۔ گکھڑ اور گوجرانوالہ کو مرکز بنا کر دین کی خدمت کا آغاز کیا۔ کثیر التصانیف محقق بزرگ ہیں۔ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ = ۵ مئی ۲۰۰۹ء کو وفات پائی۔

[ماہ نامہ الشریعۃ، گوجرانوالہ، امام اہل سنت نمبر، جولائی - اکتوبر ۲۰۰۹ء]

رضی اللہ عنہ (۱) جلیل القدر اور مشہور صحابی تھے۔ اُنہوں نے جس وقت یہ خواب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا سفیر اور قاصد ہوں۔ [سماع الموتی: ۱۱۷]

لیکن شیخ الحدیث صاحب نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے، جس میں اَعرابی کے بجائے سیدنا بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا ہے اُس کا راوی سیف بن عمر ضبی ہے۔

[تاریخ ابن جریر طبری ۳: ۱۹۲، البدایۃ والنہایۃ ۷: ۸۸، حوادث: ۱۸ھ، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ﷺ ۴: ۱۹۵]

جب کہ سیف بن عمر ضبی اسیدی کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ: وہ واقدی کی طرح تھا۔ جابر جعفی اور دیگر مجہول راویوں سے روایت کرتا ہے۔ امام یحییٰ بن معین (۲) فرماتے ہیں: ایک پیسہ اُس سے بہتر ہے۔ امام ابوداود (۳) فرماتے ہیں: کوئی شے نہیں۔

---

(۱) بلال بن حارث مزنی ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، مشہور شجاع صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ کے دیہ ''اشعر'' میں رہائش تھی۔ ۵ھ کو اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ کے وقت قبیلہ مزینہ کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ ۶۰ھ = ۶۸۰ء کو ۸۰ سال کی عمر میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

[تہذیب تاریخ دمشق ۳: ۲۹۸، الاعلام ۲: ۷۲]

(۲) یحییٰ بن مَعین بن عون بن زیاد، ابوزکریا، سید الحفاظ، ناقد، مؤرخ اور بہت بڑے محدث ہیں۔ جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ اصلاً سرخس سے تعلق تھا۔ انبار کے قریب ۱۵۸ھ = ۷۷۵ء کو نقیا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے، اُن کے والد محکمہ خراج میں عامل تھے۔ مدینہ منورہ میں ۲۳۳ھ = ۸۴۸ء کو فوت ہوئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: میں نے اپنے ہاتھوں سے لاکھوں احادیث لکھی ہیں۔

[تاریخ بغداد ۱۴: ۱۷۷، الاعلام ۸: ۱۷۲]

(۳) سلیمان بن اَشعث بن اسحاق بن بشیر، ابوداوٗد، ازدی، سجستانی، اپنے زمانے میں حدیث کے بہت بڑے عالم تھے، ان کی ''السنن'' اصول ستہ میں گنی جاتی ہے۔ ۲۰۲ھ = ۸۱۷ء کو ولادت ہوئی۔ حصول علم کے لیے لمبے سفر کیے۔ ۲۷۵ھ = ۸۸۹ء کو بصرہ میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۲: ۴۰۴، الاعلام ۳: ۱۲۲]

امام ابوحاتم (۱) فرماتے ہیں: متروک تھا۔ حافظ ابن حبان (۲) کہتے ہیں: زندقہ سے بدنام ہے۔ حافظ ابن عدی (۳) فرماتے ہیں: اُس کی عام روایتیں منکر ہوتی ہیں۔...... احادیث وضع کرنے سے بدنام تھا۔ [میزان الاعتدال ۲: ۲۵۵-۲۵۶، ترجمہ: ۳۶۳۷]

کیا ایسے شخص کی روایت صحیح ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ موضوع ہوتی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ محترم شیخ الحدیث کا یہ لکھنا مفید نہیں کہ ''حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ سمہودی تینوں بزرگ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ [سماع الموتیٰ: ۱۱۷]

اس لیے کہ اِن اَکابر نے اُس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے جس میں سیدنا بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا گیا ہے، رہی وہ روایت جس میں اُن صحابی کا نام ذِکر ہے یہ اَکابر اُس کی تصحیح کرنے سے خاموش ہیں۔

---

(۱) محمد ادریس بن منذر بن داود بن مہران، تمیمی، حنظلی، رازی، ابوحاتم۔ رے میں ۱۹۵ھ=۸۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث اور امام بخاری اور امام مسلم کے اَقران میں سے تھے۔ رجالِ حدیث کے ماہر عالم تھے۔ ۲۷۷ھ=۸۹۰ء کو بغداد میں وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۲: ۷۳، الاعلام ۶: ۲۷]

(۲) ابوحاتم ابن حِبّان [بکسر الحاء وتشدید الباء] محمد بن حِبّان بن احمد بن حِبّان بن معاذ بن معبد، تیمی، ابو حاتم، البستی، سجستانی۔ تاریخ، جغرافیہ، رجال اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ حصولِ علم کے سلسلہ میں خراسان، شام، مصر، عراق اور جزیرہ کے سفر کیے۔ ۳۵۴ھ=۹۶۵ء کو وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۳: ۸۹، ترجمہ: ۸۷۹، الاعلام ۶: ۷۸]

(۳) عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد ابن مبارَک بن قطان جرجانی۔ ۲۷۷ھ=۸۹۰ء کو پیدا ہوئے۔ علم کے حصول کے لیے دمشق، صیدا، القدس، کوفہ، بغداد، شام، مصر اور عراقین کا سفر کیا۔ ایک ہزار سے زیادہ اساتذہ سے کسب فیض کیا جن میں امام بغوی اور امام ابن صاعد جیسے اساطین علم بھی ہیں۔ اپنے گاؤں میں ابن القطان اور بیرونی دنیا میں ابن عدی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ عربیت میں ذرا کمزور تھے۔ لحن کا شکار ہوا کرتے تھے لیکن حدیث کے معاملے میں نہایت ثقہ مانے گئے ہیں۔ ۳۶۵ھ=۹۷۶ء کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۶: ۱۵۴، الاعلام ۴: ۱۰۳]

ایک خاتون کا چالیس سال تک قرآنی آیات سے گفتگو

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کرنے گیا۔ سفر کے دوران راستے میں مجھے ایک بوڑھی خاتون بیٹھی ہوئی ملی جس نے اُون کی قمیص پہنی ہوئی تھی اور اُون ہی کی اوڑھنی اوڑھے ہوئی تھی۔ میں نے اُسے سلام کیا تو:

اُس نے جواب دیا: سَلٰمٌ قَوْلاً مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ.

میں نے پوچھا: اللہ تم پر رحم کرے یہاں کیا کر رہی ہو؟

کہنے لگی: وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ.

میں سمجھ گیا کہ وہ راستہ بھول گئی ہیں، اس لیے میں نے پوچھا: کہاں جانا چاہتی ہو؟

کہنے لگی: سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا.

میں سمجھ گیا کہ وہ حج ادا کر چکی ہے اور اب بیت المقدس جانا چاہتی ہے۔ میں نے پوچھا: کب سے یہاں بیٹھی ہو؟

کہنے لگی: ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا.

میں نے کہا: تمہارے پاس کچھ کھانا وغیرہ نظر نہیں آ رہا۔ کھاتی کیا ہو؟

جواب دیا: هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ.

میں نے پوچھا: وضو کس چیز سے کرتی ہو؟

کہنے لگی: فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا.

میں نے کہا: میرے پاس کچھ کھانا ہے اگر چاہو تو آپ کو دے دوں؟

اُس نے جواب میں کہا: ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ.

میں نے کہا: یہ ماہِ رمضان تو نہیں؟

بولی: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّہٗ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ.

میں نے کہا: سفر میں تو فرض روزہ نہ رکھنا بھی جائز ہے؟

کہنے لگی: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.

میں نے کہا: آپ میری طرح بات کیوں نہیں کرتیں؟

جواب ملا: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ.

میں نے پوچھا: آپ کا کس قبیلے سے تعلق ہے؟

کہنے لگی: لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ.

میں نے کہا: معاف کرنا مجھ سے غلطی ہوگئی۔

بولی: لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ.

میں نے کہا: اگر چاہو تو میری اونٹنی پر سوار ہو جاؤ اور اپنے قافلے سے مل جاؤ۔

کہنے لگی: وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْہُ اللّٰہُ.

میں نے یہ سن کر اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا۔

مگر سوار ہونے سے پہلے وہ بولی: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ.

میں نے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں اور اُس سے کہا: سوار ہو جاؤ، لیکن جب وہ سوار ہونے لگی تو اچانک اونٹنی بدک گئی اور اس جدوجہد میں اُس کے کپڑے پھٹ گئے۔

اس پر وہ بولی: مَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ.

میں نے کہا: ذرا ٹھہر جاؤ میں اونٹنی کو باندھ دوں، پھر سوار ہونا۔

وہ بولی: فَفَھَّمْنٰھَا سُلَیْمٰنَ.

میں نے اونٹنی کو باندھا اور اُس سے کہا: اب سوار ہو جاؤ۔

وہ سوار ہوگئی اور یہ آیت پڑھی: سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ.

میں نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور چل پڑا۔ میں بہت تیز تیز دوڑا جا رہا تھا اور ساتھ ہی زور زور سے چیخ چیخ کر اونٹنی کو ہنکا بھی رہا تھا۔

یہ دیکھ کر وہ بولی: وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ.

اب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور کچھ اشعار ترنم سے پڑھنے لگا۔

اِس پر اُس نے کہا: فَاقْرَءُ وْامَاتَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ.

میں نے کہا: آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی خوبیوں سے نوازا گیا ہے۔

وہ بولی: وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ.

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے اُن سے پوچھا: تمہارا کوئی شوہر ہے؟

بولی: لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ.

میں خاموش ہو گیا اور جب تک قافلہ نہیں ملا میں نے اُن سے کوئی بات نہیں کی۔ قافلہ سامنے آ گیا تو میں نے اُن سے کہا: وہ قافلہ سامنے ہے' اس میں آپ کا کون ہے؟

کہنے لگی: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا.

میں سمجھ گیا کہ قافلے میں اُس کے بیٹے موجود ہیں۔ میں نے پوچھا: قافلے میں اُن کا کیا کام ہے؟

بولی: وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ.

میں سمجھ گیا کہ اُس کے بیٹے قافلے میں رہبر کی ذمہ داری پر مأمور ہیں' چنانچہ میں نے اُنہیں لے کر خیمے کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا: یہ خیمے آ گئے ہیں۔ اب بتاؤ آپ کا بیٹا کون ہے؟

کہنے لگی: وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا ' وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ' یٰیَحْیٰ خُذِالْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ.

یہ سن کر میں نے ابراہیم' موسیٰ اور یحییٰ کو آواز دی۔ تھوڑی سی دیر میں چاند جیسے خوب صورت تین نوجوان میرے سامنے تھے جب ہم سب اطمینان سے بیٹھ گئے تو اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا: فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ.

یہ سن کر اُن میں سے ایک لڑکا گیا اور کھانا خرید لایا۔ وہ کھانا میرے سامنے رکھا گیا تو عورت بولی: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ.

اب مجھ سے نہ رہا گیا میں نے لڑکوں سے کہا: تمہارا کھانا مجھ پر حرام ہے جب تک مجھے اپنی والدہ کی حقیقت نہ بتاؤ۔ لڑکوں نے بتایا کہ ہماری والدہ کی چالیس سال سے یہی کیفیت ہے۔ چالیس سال سے اس نے قرآنی آیات کے سوا کوئی جملہ نہیں بولا اور یہ پابندی اُس نے اپنے اوپر اس لیے لگائی ہے کہ کہیں زبان سے کوئی ناجائز یا نامناسب بات نہ نکل جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے۔ میں نے کہا: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

ایک معاصر نوجوان قلمکار نے اسے المُسْتَطْرَفْ فِي كُلِّ فَنٍّ مُسْتَظْرَفٍ :۸۴-۸۵ اور ابجد العلوم ۲:۱۹۱ کے حوالے سے لکھا ہے۔ اور یہ نہیں سوچا کہ عبداللہ بن مبارک کی وفات ۱۸۱ھ کو ہوئی ہے جب کہ المُسْتَطْرَفْ کے مصنف شہاب الدین محمد بن احمد الابشیہی کی ولادت ۷۹۰ھ کو اور ابجد العلوم کے مصنف نواب صدیق حسن خان قنوجی کی ولادت ۱۲۴۸ھ کو ہوئی ہے' ان لوگوں کو یہ روایت کہاں سے ملی جس میں کچھ آیات کا سرے سے سوال کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں؟

اس کہانی کی سند کہاں ہے؟ عبداللہ بن مبارک کوئی ایسا معمولی شخص تو نہیں کہ اُن کا یہ واقعہ اُن کے سوانح نگاروں کو معلوم تک نہیں اور ۷۹۰ھ اور ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہونے والے لوگوں کو اس کا علم ہو جائے!!

آیئے! میں آپ کو اس کی حقیقت بتادوں۔ اسے امام ابوحاتم محمد بن حبان بُستی نے اس سند کے ساتھ نقل کیا ہے: أنبأنا عمرو بن محمد الأنصاري، حدثنا الغلابي، حدثنا إبراهيم بن عمرو بن حبيب حدثنا الأصمعي قال: بينا أطوفُ بالبادِيَةِ إذا أنا بأعرابيةٍ تمشِي وحدها على بعِيرٍ لها، فقلتُ: يا أَمَةَ الجبار! مَنْ تَطْلُبِيْنَ؟......

[روضۃ العقلاء: ۴۹-۵۰]

''اصمعی (۱) کہتے ہیں: میں صحرا میں جا رہا تھا کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا جو اونٹ پر سوار ہو کر تنہا سفر کر رہی تھی۔ میں نے اُس سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کی باندی! کس کی تلاش میں ہو؟''

پوری کہانی نقل کرنے کے بعد اصمعی کہتے ہیں: میں نے اُس عورت سے عرض کیا: مجھے کچھ نصیحت کریں اس پر وہ بولیں: مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى. اصمعی کہتے ہیں: فَعَلِمْتُ أنها شِيْعِيَّةٌ فانصَرَفْتُ. [روضۃ العقلاء: ۵۰]

''میں سمجھ گیا کہ یہ شیعہ عورت ہے اور میں وہاں سے لوٹ آیا۔''

یہ ہے اس بے اصل و بے اَساس کہانی کی اصلیت!! اب آیئے اس کی سند کی طرف! جو چنداں قابلِ اعتبار نہیں اس لیے کہ:

- اس کا ایک راوی الغلابي ہے، جس کا نام محمد بن زکریا بن دینار الضبی البصری ہے اور اس کے بارے میں حافظ ابن حبان نے خود لکھا ہے کہ:

كان صاحب حكايات وأخبار، يعتبرُ حديثُهُ إذا رَوَى عن الثقاتِ لأنه في روايته

---

(۱) عبدالملک بن قُریب بن علی بن اصمع الباہلی، ابوسعید الاصمعی، راویۃ العرب تھے، لغت، شعر اور جغرافیہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ اپنے جد اعلیٰ اَصمع کی طرف نسبت ہے۔ بصرہ میں ۱۲۲ھ = ۷۴۰ء کو پیدا ہوئے، رَاوِیَۃُ العرب سے مشہور ہیں، اکثر وبیشتر دیہات کے چکر کاٹتے رہتے جہاں سے علوم و اَخبار جمع کرتے۔ ہارون الرشید اُنہیں شیطان الشعر کہا کرتے تھے۔ ۲۱۶ھ = ۸۳۱ء کو بصرہ ہی میں وفات ہوئی۔

[تاریخ بغداد ۱۰: ۴۱۰، الاعلام ۴: ۱۶۲]

عن المجاهيل بعض المناكير. [الثقات ۹:۱۵۴]

''قصہ گو اور اَخباری تھا[کوئی عالم اور محدث نہیں تھا] اُس کی اُس بات کا اعتبار کیا جائے جسے وہ کسی ثقہ راوی سے نقل کرے اس لیے کہ اُس نے بعض مجہول راویوں سے منکر باتیں بھی نقل کی ہیں۔''

اس روایت میں الغلابي کا استاذ ابراهیم بن عمرو بن حبیب مجہول العین ہے اس لیے کہ علم اسماء الرجال کی کسی بھی کتاب اُن کا تذکرہ ہی موجود نہیں۔

ایمان، امید اور خوف کی درمیانی حالت کا نام ہے

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر آسمان سے کوئی منادی یہ اعلان کرے کہ لوگو! ایک آدمی کے علاوہ باقی تم سب کے سب جنت میں جاؤ گے تو مجھے اپنے اعمال کی وجہ سے ڈر ہے کہ وہ آدمی میں ہی ہوں گا اور اگر کوئی منادی یہ اعلان کرے کہ لوگو! ایک آدمی کے علاوہ باقی تم سب کے سب جہنم میں جاؤ گے تو مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ وہ آدمی میں ہی ہوں گا۔ [سلف صالحین کے ایمان افروز واقعات: ۲۱۱]

مولانا محمد نعمان صاحب نے اس کے لیے حلیۃ الاولیاء ۱: ۵۳ کا حوالہ دیا ہے، جس کی سند یہ ہے: محمد بن معمر، از ابوشعیب حرانی، از یحییٰ بن عبداللہ البابلتی، از اوزاعی، از یحییٰ بن ابی کثیر از سیدنا عمر بن خطاب۔ [حلیۃ الاولیاء ۱: ۵۳]

اس کی سند ضعیف ہے اس لیے کہ:

- اس میں یحییٰ بن عبداللہ بن ضحاک بابلتی ہے، جو حافظ ابوحاتم کی تصریح کے مطابق ضعیف تھا۔ [الجرح والتعدیل ۹: ۱۶۴]

حافظ ابن عساکر (۱) نے اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن عبداللہ البابلتی کی زبانی نقل کیا ہے کہ امام اوزاعی (۲) سے اُن کی ملاقات ۱۶۶ھ کو ہوئی۔ میں [حافظ ابن عساکر] کہتا ہوں کہ:

---

(۱) علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ابوالقاسم ثقۃ الدین ابن عساکر الدمشقی، ۴۹۹ھ = ۱۱۰۵ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ میں دیار مصریہ کے محدث تھے۔ مؤرخ اور حافظ حدیث تھے۔ حصول علم کے لیے لمبے لمبے سفر کیے۔ ۵۷۱ھ = ۱۱۷۶ء کو دمشق ہی میں وفات پائی۔ تاریخ دمشق الکبیر کے مصنف اور امام سمعانی صاحب الانساب کے رفیق رہے ہیں۔ [وفیات الاعیان ۳: ۳۰۹، الاعلام ۴: ۲۷۳]

(۲) عبدالرحمٰن بن عمرو بن یحمد اوزاعی، ابوعمرو، اوزاع قبیلہ سے تعلق کی وجہ سے اوزاعی کہلائے۔ فقہ......

لا أخالُ هذاالتَّاريخ محفوظًا،فإنَّ الأوزاعي مات سنة سبع وخمسين ومائة،فإن كان محفوظًامن قَوْل البَابُلُتِّي فيَدُلُّ على أنه لم يلق الأوزاعي،ولم يسمع منه،و يشهد لقول يَحيى بن مَعين بالصِّحَّةِ:أنه لم يسمع من الأوزاعي شيئًا.

[تاریخ مدینۃ دمشق۶۴: ۲۹۸،تہذیب الکمال۳۱: ۴۱۲،ترجمہ:۶۸۶۲]

''میرا خیال نہیں کہ یہ تاریخ محفوظ ہو اِس لیے کہ امام اوزاعی کی وفات ۱۵۷ھ کو ہوئی اور اگر بابلتی سے یہ تاریخ محفوظ اور درست ہے تو پھر یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ بابلتی کی امام اوزاعی سے ملاقات ثابت نہیں اور نہ اُنہوں نے امام اوزاعی سے کچھ سنا ہے اور یہ امام یحیٰی بن معین کے قول کا شاہد بن سکتا ہے کہ بابلتی نے اوزاعی سے کچھ بھی نہیں سنا۔''

-اس کا ایک راوی یحیٰی بن ابی کثیر یمامی ہیں،جو صغار تابعین میں سے ہیں۔حافظ ہیں۔کثیر الارسال اور مدلس ہیں اور کسی صحابی سے اُن کی سماع ثابت نہیں۔

[تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس:۶۷،ترجمہ:۶۳-[۳۰]

جب کہ وہ یہ واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے براہِ راست سننے کا دعویٰ کرتے ہیں!!

......اور زہد میں دیارِ شام کے امام مانے جاتے ہیں۔بعلبک میں ۸۸ھ = ۷۰۷ء کو پیدا ہوئے۔بقاع میں پرورش پائی۔بیروت میں سکونت پذیر رہے اور وہیں ۱۵۷ھ = ۷۷۴ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان۳: ۱۲۷،الاعلام۳: ۳۲۰]

بلال!⁽¹⁾ یہ بے وفائی کیوں؟

رسول اللہ ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ حلب چلے گئے اور وہاں رہائش اختیار کی جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جابیہ گئے تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے شام آنے کو کہا جو اُنہوں نے قبول کیا اور یہاں آجانے کے بعد: إنَّ بِلاَلاً رَأَى فِي مَنَامه النَّبِيَّ ﷺ وهو يقول له: ما هـذه الجَفْوَةُ يا بلال! أما أنَّ لكَ أن تزورني يا بلال؟ فانتبَهَ حَزِيْنًا وَجِلاً خَائِفًا، فركب راحلته وقصدَ المدينةَ فأتى قبرَ النبي ﷺ فجعلَ يَبكِي عندهُ و يُمَرِّغُ وجهه عليه، و أقبَلَ الحسنَ والحسين فجعلَ يَضُمُّهُما ويُقَبِّلُهُمَا، فقالا له: يا بلال! نَشتَهِي نسمعُ آذانَكَ الذي كنتَ تُؤَذِّنُهُ لرسول الله ﷺ في السَّحَرِ، فَفعَلَ، فَعلاَ سَطْحَ المسجدِ فوَقَفَ موقفُه الذي كان يقفُ فيه، فلمَّا أن قال: أللّٰه أكبر أللّٰه أكبر، ارتَجَّتِ المدينةُ، فلَمَّا أن قال: أشهَدُ أن لَّا إله إلَّا اللّٰه، زادَ تَعاجيْجُهَا، فلَمَّا أن قال: أشهَدُ أنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه، خَرَجَ العواتِقُ مِنْ خُدُوْرِهِنَّ فقالوا: أَبُعِثَ رسولُ اللّٰه ﷺ؟ فَمَا رُئِيَ يومٌ أكثرُ باكيًا و لَا بَاكِيَةً بعد رسول اللّٰه ﷺ من ذٰلكَ اليوم. [تاریخ مدینۃ دمشق ۷: ۱۳۶-۱۳۷، بذیل ترجمہ: ۴۹۳]

''بلال [رضی اللہ عنہ] نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور آپ نے اُنہیں فرمایا: بلال! یہ کیا بے وفائی ہے؟ تم ہماری زیارت کیوں نہیں کرتے؟ وہ حزین و پریشان نیند سے بیدار ہوئے، اپنی سواری پکڑی اور اُس پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کی راہ لی۔ مدینہ منورہ آکر رسول

---

(۱) بلال بن رباح حبشی، ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے مؤذن اور بیت المال کے خازن تھے۔ نحیف اور طویل القامت تھے۔ سارے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ ۲۰ھ = ۶۴۱ء کو دمشق میں وفات پائی۔ [اسد الغابۃ: ۱۲۹، ترجمہ: ۴۹۳، الاعلام ۲: ۷۲]

اکرم ﷺ کے قبر اطہر پر پہنچ کر روتے ہوئے قبر پر لوٹ پوٹ گئے، اتنے میں حسنین (۱) رضی اللہ عنہما تشریف لے آئے۔ آپ نے اُنہیں گلے لگایا اور چوما۔ انہوں نے اُن سے کہا: بلال! ہم آپ سے وہی اذان سننا چاہتے ہیں جسے آپ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں صبح کی نماز کے لیے کہا کرتے تھے۔ انہوں نے اُن کی فرمائش پورا کرنے کی ٹھانی۔ مسجد کی چھت پر چڑھ گئے اور اُس جگہ کھڑے ہوگئے جہاں آپ اذان دینے کے لیے کھڑا ہوا کرتے تھے اور اَللّٰہ أکبر اَللّٰہ أکبر پڑھا تو مدینہ منورہ گونج پڑا جب أشھَدُ أن لآ إلٰہ إلاَّ اللّٰہ پڑھا تو گونج میں مزید اضافہ ہوا اور أشھَدُ أنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ پڑھنے سے کنواری لڑکیاں گھروں سے نکل پڑیں اور لوگ کہنے لگے: کیا رسول اللہ ﷺ پھر مبعوث ہوئے؟ رسول اللہ ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد ایسا رلانے والا اور غمگین دن کوئی اور نہیں تھا۔"

علامہ تقی الدین علی بن عبد الکافی بن علی السبکی الشافعی لکھتے ہیں: رُوِینَا ذلك بإسنادٍ جَیِّدٍ، وھو نصٌّ في البابِ، و ممن ذکرہ: الحافظ أبو القاسم ابن عساکر بالإسناد الذي سنذکرہ. [شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ﷺ: ۱۸۴-۱۸۶، باب سوم]

"ہمیں اس کی روایت ایک جید اور عمدہ سند کے ساتھ کی گئی ہے، اور اسے نص کی حیثیت حاصل ہے۔ اسے حافظ ابن عساکر نے اُس سند کے ساتھ نقل کیا ہے، جس کے ساتھ ہم اسے ذکر کریں گے۔"

شفاء السقام کے بارے میں استاذِ حدیث مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری (۲) کی رائے

---

(۱) سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔

(۲) محمد انور شاہ بن محمد اعظم شاہ بن شاہ عبد الکبیر۔ اُن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا، وہاں سے ملتان آئے۔ لاہور منتقل ہوئے پھر کشمیر میں سکونت اختیار کی۔ آپ ۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ = ۱۸۷۵ء کو اپنے ننھیال دودھواں [علاقہ لولاب] کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اسباق اپنے والد محترم سے لیے پھر تین سال تک ہزارہ [سرحد] کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں رہے۔ ۱۳۰۷ یا ۱۳۰۸ھ کو سولہ سترہ......

ہے کہ: مَاوَجَدْتُّ فِيْهَاشَيْئًاجَدِيْدًاوَطَرِيًّاوَتَصَدَّى إِلَى تَقْوِيَةِ الضِّعَافِ.

[العرف الشذی شرح سنن الترمذی ۱:۳۲۷]

''میں نے اس میں کوئی نئی، تازی چیز نہیں دیکھی بلکہ وہ تو ضعیف روایتوں کو قوی ثابت کرنے کے درپے ہیں۔''

سوال یہ ہے کہ اگر اس کی سند عمدہ ہے تو حافظ ذہبی نے یہ کیوں کر لکھا کہ:

إسنادُهٗ لَيِّنٌ و هو منكرٌ. [سیر اعلام النبلاء ۱:۳۵۸]

''اس کی سند ضعیف اور [اس کا متن] منکر ہے۔''

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: ابراہیم بن محمد بن سلیمان شامی— جو اِس کہانی کا راوی ہے— مجہول ہے اور: إِسْنَادُهٗ جَيِّدٌ، مافيه ضَعِيْفٌ لٰكِنْ إِبْرَاهِيْم مَجْهُوْلٌ.

[تاریخ الاسلام ۶:۱۹۷-۱۹۸، طبقہ:۲۴، بذیل ترجمہ:۶۵۸۵]

''اس کی سند عمدہ ہے۔ اس میں کوئی ضعیف راوی نہیں لیکن ابراہم بن محمد بن سلیمان شامی مجہول ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: وَهِيَ قِصَّةٌ بَيِّنَةُ الْوَضْعِ. [لسان المیزان ۱:۱۰۸، ترجمہ:۳۲۰]

''اور اس قصے کا موضوع ہونا بالکل واضح ہے۔''

حافظ محمد بن احمد بن عبدالہادی المقدسی نے لکھا ہے کہ: ذَكَرَه ابنُ عساكِرفي تَرجَمَةِ بلال، وهو أثرٌ غريبٌ منكرٌ وإسناده مجهول وفيه انقطاعٌ، وقد تَفَرَّدَ به محمد بن الفيض الغساني. [الصّارم المنكی فی الرد علی السبکی:۶۵۴]

''اسے ابن عساکر نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی کے تحت درج کیا ہے۔ یہ ایک

......سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند آ گئے، جہاں چار سال تک علوم وفنون حاصل کرتے رہے۔ بیس اکیس سال کی عمر میں ۱۳۱۲ھ کو سند فضیلت حاصل کیا۔ بہت بڑے محدث تھے۔ قادیانیوں کے خلاف تیغ برّاں تھے۔ ۱۳۵۲ھ = ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند میں وفات پائی۔ [بیس بڑے مسلمان:۳۶۹]

غریب اور منکر اثر ہے، اس کی اِسناد مجہول ہے اور اس میں اِنقطاع ہے جسے نقل کرنے میں محمد بن فیض غسانی متفرد ہیں۔''

حافظ سیوطی (۱) نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اوپر درج کی ہوئی کی پوری عبارت نقل کر کے اُن کی تصویب کی ہے: ''سیدنا بلال ﷛ مدینہ منورہ سے کوچ کر گئے اور رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے بعد وہ واپس آئے۔ وہاں اَذان دی جس سے اہل مدینہ کانپ گئے اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ موضوع ہے۔'' [ذیل اللآلی المصنوعۃ ۱: ۴۰۶-۴۰۷، حدیث: ۴۸۱]

اور علامہ حوت بیروتی (۲) لکھتے ہیں: قصةُ رحيل سيدنا بلال ﷛ إلى الشام وأنه رجع بعد موته ﷺ إلى المدينة بسبب رؤيته ﷺ في المنام وأذانه بها وارتجاج أهل المدينة لِتَذَكُّرِهِمُ الأذانَ في حياة رسول الله ﷺ؛ لا أصل له؛ كما قاله القاري.

[اَسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب: ۳۷۵]

''سیدنا بلال ﷛ کا ملکِ شام سے واپس آنا اس لیے کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد خواب دیکھا تھا اور مدینہ منورہ میں اذان دینا اور لوگوں کا اس لیے اپنے گھروں سے نکلنا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کا زمانہ یاد آ گیا۔ یہ پورا قصہ بے اصل ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے کہا ہے۔''

---

(۱) عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین، خضیری، سیوطی، جلال الدین، ۸۴۹ھ = ۱۴۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ قاہرہ میں پلے بڑھے۔ چالیس سال کی عمر میں دریائے نیل کے روضۃ المقیاس میں عزلت نشین ہوئے اور وہیں اپنی اکثر کتابیں لکھیں۔ امراء اور شرفاء ان سے ملنے وہاں آتے اور وظائف وتحائف پیش کرتے مگر آپ کسی سے ملتے اور نہ وظیفہ یا تحفہ قبول کرتے۔ ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء کو وفات پائی۔ [شذرات الذہب ۱۰: ۷۴، الاعلام ۳: ۳۰۱]

(۲) ابوعبداللہ محمد بن محمد بن درویش، حوت بیروتی۔ ۱۲۰۳ھ = ۱۷۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ حدیث کا علم رکھتے تھے۔ شافعی المسلک فقیہ ہیں۔ بیروت میں شہرت پائی اور وہیں ۱۲۷۷ھ = ۱۸۶۰ء کو وفات پائی۔

[حِلیةُ البشر في تاريخ القرن الثالث عشر: ۱۳۷۰-۱۳۷۱، الاعلام ۷: ۷۴]

تقویٰ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

امام قرطبی [(۱)] نے لکھا ہے: سأل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أبیاً رضی اللہ عنہ عن التقوی، فقال: هل أخذت طريقاً ذاشوكٍ ؟ قال: نعم، قال: فما عَمِلْتَ؟ قال: تَشَمَّرْتُ و حذرت، قال: فذلك التقوی:

خَلِّ الذنوب صغيرها وكبيرها ذاك التُّقٰی

و اصنع كماشٍ فوقَ أر ضِ الشوك يحذر مايَرٰی

لا تَحقِرَنَّ صَغِيرَةً إنَّ الجِبالَ من الحَصٰی

[التفسير القرطبی ۱:۲۰۷، تفسیر ابن کثیر ۱:۲۶۳]

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے پوچھا: کیا آپ کہیں ایسے راستے پر سے گزرے ہیں جس میں کانٹے ہی کانٹے ہوں؟ اُنہوں نے اِثبات میں جواب دیا۔ پھر پوچھا کہ وہاں آپ نے کون سا طرزِ عمل اختیار کیا؟ فرمایا: میں نے کپڑے سمیٹے اور خوب حزم و احتیاط کے ساتھ وہاں سے گزرا۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ [(۲)] نے فرمایا: تقویٰ بھی اسی قسم کی چیز ہے۔''

---

(۱) محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری خزرجی اندلسی ابو عبداللہ قرطبی، تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ بہت بڑے مفسر اور صالح و عابد تھے۔ قرطبہ [اندلس] سے تعلق تھا۔ شرق اوسط کے سفر کیے۔ مصر کے شمال میں اسیوط کے مضافات میں منیۃ ابن خصیب میں اقامت پذیر رہے اور وہیں ۶۷۱ھ =۱۲۷۳ء کو وفات پائی۔ سادہ اور متقشفانہ زندگی گزارتے تھے۔ ایک ہی کپڑا زیبِ تن فرمایا کرتے تھے۔ [نفح الطیب ۱:۴۲۸، الاعلام ۵:۳۲۲]

(۲) اُبی بن کعب بن قیس بن عبید، نجاری، خزرجی، انصاری، ابو المنذر رضی اللہ عنہ قبول اسلام سے قبل یہود کے احبار میں سے تھے۔ کتبِ سابقہ پر گہری نظر تھی۔ کاتبین وحی میں سے تھے۔ غزوہ بدر، احد، خندق اور......

مفسرین نے اسے بلاسند ذکر کیا ہے، جب کہ امام بیہقی نے اسے باسند اس طرح ذکر کیا ہے:

هشام بن زياد عن سهيل بن أبي صالح عن أبيه قال:قال رجلٌ لأبي هريرة:ما التقوىٰ؟قال:أخذتَ طريقاً ذاشوكٍ؟قال:نعم!قال:فكيف صنعتَ؟قال:إذا رأيتُ الشوك عزلتُ عنه،قال:ذاك التقوىٰ. [الزہد الکبیر:٣٥٠-٣٥١، حدیث:٩٦٣، جامع العلوم و الحکم ١:٤٠٢، بلاسند منسوب بسیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ، بذیل حدیث:١٨]

اس میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی مجہول شخص کا ذکر ہے اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بجائے سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ یہ روایت دو وجوہ کی بناء پر ضعیف ہے:

- ہشام بن زیاد کو امام احمد ضعیف کہتے ہیں۔ امام نسائی کہتے ہیں: متروک ہے۔ امام ابن حبان کہتے ہیں: ثقہ راویوں کی سند سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔ امام ابوداود کہتے ہیں: ثقہ نہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں: محدثین اس کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔

[میزان الاعتدال ٤:٢٩٨، ترجمہ:٩٢٢٣]

- سہیل بن ابی صالح ثقہ راوی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اُن کی حدیث استشہاداً نقل کیا ہے۔ امام شعبہ (٢) اور امام مالک نے اُن سے روایتیں لی ہیں مگر انہیں ایک بیماری لاحق ہوگئی جس کی وجہ سے وہ اپنی بعض روایات بھول گئے۔

[میزان الاعتدال ٢:٢٤٣، ترجمہ:٣٦٠٤]

......دوسرے غزوات میں شریک رہے۔ جنگ جابیہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہم رکاب تھے۔ بیت المقدس والوں کے لیے صلح نامہ آپ ہی نے تحریر کیا تھا۔ آپ کی مرویات ١٦٤ ہیں۔ مدینہ منورہ میں ٢١ھ=٦٤٢ء کو وفات پائی۔ [الاصابۃ ١:١٩، الاعلام ١:٨٢]

(٢) شعبہ بن حجاج بن ورد عتکی ازدی واسطی بصری ابو بسطام۔ رجالِ حدیث کے امام تھے۔ حفظ اور درایت کے بلند درجے پر فائز تھے۔ ٨٢ھ=٧٠١ء کو واسط میں پیدا ہوئے۔ وہاں پلے بڑھے۔ بصرہ میں رہائش تھی اور وہیں ١٦٠ھ=٧٧٦ء کو فوت ہوئے۔ عراق میں آپ پہلے وہ شخص ہیں کہ محدثین کی چھان بین کی اور ضعفاء و متروکین سے اجتناب کیا۔ [حلیۃ الاولیاء ٧:١٤٤، الاعلام ٣:١٦٤]

تیس ہزار دینار

ابوبکر احمد بن مروان بن محمد المالکی الدینوری کہتے ہیں: ہمیں یحیٰ بن ابی طالب نے قصہ سنایا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبدالوہاب بن عطاء الخفاف نے قصہ سنایا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اہل مدینہ میں سے کچھ شیوخ نے یہ قصہ سنایا کہ فروخ جو ربیعۃ الرائی[1] کے والد تھے، بنوامیہ کے دورِ حکومت میں جہادی قافلوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے خراسان چلے گئے۔ اُس وقت ربیعۃ والدہ کی پیٹ میں تھے۔ فروخ اپنی بیوی کے پاس تیس ہزار دینار چھوڑ گئے تھے وہ ستائیس سال بعد مدینہ منورہ لوٹ آئے وہ گھوڑے پر سوار تھے اور اُس کے ہاتھ میں نیزہ تھا گھوڑے سے اترے اور نیزے سے دروازہ کھولا تو ربیعۃ نکل آئے اور کہا: یـاعَـدُوَّ اللّٰهِ! أتَهْـجُـمُ عَـلٰـى مَنْزِلِيْ ؟'' کیا تو میرے گھر پر ہجوم [حملہ] کرتے ہو؟ اس کے جواب میں فروخ نے کہا: تو اللہ کا دشمن ہے کہ میرے گھر میں داخل ہو گئے ہو دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لڑ پڑے۔ شور اُٹھا اور پڑوسی جمع ہو گئے۔ امام مالک بن انس اور دوسرے شیوخ کو جب اطلاع ملی تو وہ ربیعۃ کی مدد کے لیے آ گئے۔ ربیعۃ نے فروخ سے کہا: اللہ کی قسم! میں تمہیں حاکم کے پاس لے جا کر ہی چھوڑوں گا۔ فروخ نے بھی اسی قسم کا جواب دیا اور کہا کہ تم میری بیوی کے پاس تھے۔ بہت شوروغوغا ہوا۔ حاضرین نے جب امام مالک کو دیکھا تو سب خاموش ہو گئے۔ امام مالک نے فروخ سے مخاطب ہو کر کہا: محترم! آپ کے لیے کسی دوسرے گھر میں گنجائش ہو گی تو فروخ کہنے لگے: میں فروخ ہوں۔ فلاں قبیلے کا آزاد کردہ غلام! اور یہی میرا گھر ہے۔ اُن کی بیوی نے یہ بات سن لی تو باہر آئی اور کہا: یہ میرے شوہر

---

(۱) ربیعۃ بن ابوعبدالرحمٰن [فروخ] التیمی بالولاء، ابوعثمان، امام، حافظ، فقیہ، مجتہد اور قیاس کے نہایت ماہر عالم تھے۔ نہایت سخی تھے۔ اپنے بھائیوں پر چالیس ہزار دینار خرچ کیے تھے۔ اپنے زمانے میں سنت نبوی کے بہت بڑے محافظ تھے۔ ۱۳۶ھ=۷۵۳ء کو ''ہاشمیہ'' [انبار] میں وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۱:۱۵۷، ترجمہ: ۱۵۳، الاعلام ۳:۱۷]

ہیں اور ربیعۃ میرا بیٹا ہے جسے میں نے ان کے جانے کے بعد جنا۔ جس وقت فروخ گھر سے گئے تو میں حاملہ تھی۔ پس دونوں باپ بیٹا گلے ملے اور رونے لگے۔

سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جانے کے بعد فروخ نے اپنی بیوی سے تیس ہزار دیناروں کا ذکر کیا اور کہا کہ میں اپنے ساتھ چار ہزار درہم مزید لایا ہوں تم یہ بھی اُن دیناروں کے ساتھ رکھو وہ بولی کہ میں نے اُن دیناروں کو ایک جگہ محفوظ کر کے رکھا ہے جسے میں کچھ دنوں بعد نکال کر لاؤں گی۔ کچھ دیر بعد ربیعۃ مسجد کے لیے نکلے اور اپنے حلقہ درس میں بیٹھ گئے۔ اُن کے حلقہ میں مالک بن انس کے علاوہ حسن بن زید (١) اور کئی دوسرے بڑے بڑے لوگ استفادہ کرنے آ گئے۔ مدینہ منورہ کے اکثر لوگ بھی اس درس میں شریک تھے۔ ربیعۃ کی والدہ نے فروخ سے کہا: نماز پڑھنے مسجد نبوی نہیں جاتے؟ انہوں نے اِثبات میں جواب دیا۔ مسجد میں آ کر ربیعۃ کے پاس کھڑے ہوئے۔ ربیعۃ نے سر جھکا لیا اور یہ تأثر دیا کہ میں نے اپنے والد کو نہیں دیکھا ہے۔ ربیعۃ 'طویلۃ' پہنے ہوئے تھے اُن کے والد ابو عبدالرحمٰن فروخ اُنہیں نہ پہچان سکے اس لیے پوچھا کہ یہ جوان عالم کون ہیں؟ انہیں جواب ملا کہ یہ ربیعۃ ہیں اس پر وہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو بڑے رتبے سے نوازا ہے۔

نماز پڑھنے کے بعد گھر واپس لوٹے اور اپنی بیوی کو سارا ماجرا کہہ سنایا اور خوش ہو کر کہا کہ میں نے تیرے بیٹے کو ایک عالم اور فقیہ کے روپ میں دیکھا ہے۔ بیوی نے کہا: تمہیں تیس ہزار درہم محبوب ہیں یا اس جاہ وجلال والا عالم اور فقیہ؟ انہوں نے کہا مجھے ایک بڑا عالم بنسبت مال کے زیادہ محبوب ہے۔ اس پر بیوی نے کہا کہ میں نے تیرے دیے ہوئے تیس

---

(١) حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب ابو محمد۔ سیدہ نفیسہ کے والد محترم ہیں۔ ٨٣ھ=٧٠٢ء کو پیدا ہوئے۔ بنو ہاشم کے اَشراف میں سے تھے اور اپنے زمانے میں اُن کے شیخ تھے۔ ابو جعفر منصور نے انہیں پانچ سال تک مدینہ منورہ کا امیر مقرر کیا تھا پھر اُنہیں معزول کر کے بغداد میں نظر بند کیا اور جب مہدی والی ہوئے تو اُنہیں رہا کر کے اپنے پاس رکھا۔ ١٦٨ھ=٧٨٤ء کو حاجر کے مقام پر فوت ہوئے جو مدینہ منورہ سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔

[تاریخ بغداد ٧: ٣٢٠، ترجمہ: ٣٨٢٥، الاعلام ٢: ١٩١]

ہزار درہم اس عالم پر خرچ کیے ہیں۔فروخ کہنے لگے:اللہ کی قسم!تو نے مال کو ضائع نہیں کیا۔[تاریخ بغداد ۸:۴۲۱-۴۲۲،ترجمہ:۴۵۳۱،سیر اعلام النبلاء ۶:۹۳-۹۴،ترجمہ:۲۳]

حافظ ذہبی اس کہانی کے لکھنے اور اسے نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:

ذِکرُ حِکایةٍ باطلةٍ قد رُوِیَتْ.[سیر اعلام النبلاء ۶:۹۳]

''ایک باطل کہانی کا ذِکر،جس کی روایت کی جاتی ہے۔''

اور آگے جا کر لکھتے ہیں:قلتُ:لو صَحَّ ذلك لكان يكفيه ألفُ دينارٍ في السبع و العشرين سنةٍ،بل نصفها،فهذه مجازَفَةٌ بعيدةٌ،ثم لمَّا كانَ ربيعة ابنَ سبعٍ و عشرين سنة،كان شَابًا لا حَلقةَ له،بلِ الدَّسْتُ لمثلِ سعيد بن المسيب ' وعروة الزبيرو مشايخ ربيعة ،و كان مالك لم يُولد بعدُ أو هو رَضِيعٌ. و الطَّويلةُ : إنما أخرجها للناس المنصورُ بعد موت ربيعةَ . و الحسن بن زيد إنما كَبُرَ و اشتَهَرَ بعد ربيعةَ بدهرٍ.و إسنادها منقطعٌ.

[سیر اعلام النبلاء ۶:۹۴-۹۵،تاریخ الاسلام ۳:۶۷۳،ترجمہ:۲۳۶۳]

''میں[حافظ ذہبی]کہتا ہوں کہ اگر یہ کہانی صحیح بھی ثابت ہو تو ۲۷ سال کے لیے دس ہزار دینار بلکہ اس کا نصف یعنی پانچ ہزار دینار کافی تھے۔پس یہ نہایت بے تکی بات ہے۔پھر یہ بھی ہے کہ جب ربیعۃ ۲۷ سال کے جوان تھے تو اُن کا کوئی حلقہ درس نہیں تھا بلکہ سعید بن مسیّب [۱] عروۃ بن زبیر [۲] اور ربیعۃ کے اساتذہ صدرِ مجلس ہوا کرتے تھے۔جب ربیعۃ

---

(۱) سعید بن مُسَیَّب بن حَزن بن ابی وہب،۱۳ھ=۶۳۴ء کو پیدا ہوئے۔جلیل القدر تابعی ہیں۔مدینہ منورہ کے سات بڑے فقہاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔محدث،فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔زیتون کی تجارت = کر کے اس کی آمدنی سے اپنا پیٹ پالتے تھے اور کسی سے کسی قسم کا کوئی وظیفہ نہیں لیتے تھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے سب سے بڑے حافظ تھے۔۹۴ھ=۷۱۳ء کو وفات پائی۔

[طبقات ابن سعد ۵:۱۱۹،الاعلام ۳:۱۰۲]

(۲) عروۃ بن زبیر بن عوّام اسدی قرشی ابو عبداللہ،۲۲ھ=۶۴۳ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے،ان کا شمار امت کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔صالح اور کریم النفس تھے۔فتن سے اپنے آپ کو بچائے رکھا......

۲۷ سال کے تھے تو شاید کہ امام مالک ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور اگر اُن کی ولادت ہوئی تھی تو دودھ پیتے بچے تھے' الطَّویلۃُ کو منصور نے ربیعۃ کے وفات پا جانے کے کافی عرصہ بعد رواج دیا تھا جب کہ حسن بن زید کو شہرت بھی ربیعۃ کی وفات سے کافی عرصہ بعد ہوئی اور اس کہانی کی سند منقطع ہے۔''

حافظ ذہبی نے اسے باطل کہہ کر اس کے بطلان کے شواہد بھی پیش کیے۔ اب آیئے اس کی سند کی طرف! سو اس کی سند بھی موضوع ہی ہے اس لیے کہ:

-۱: اس کا ایک راوی ابوبکر احمد بن مروان بن محمد المالکی الدینوری ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: وله یَدٌ في المذهب' ضعَّفه الدارقطني و اتَّهَمَهُ.

[تاریخ الاسلام ۸: ۲۴۵' ترجمہ: ۱۲۱۳۵]

''مالکی مذہب پر پوری دسترس حاصل تھی۔ دار قطنی [1] نے انہیں ضعیف اور مُتَّہَمْ [جھوٹ بولنے سے بدنام] کہا ہے۔''

-۲: اس میں ''بعض مشائخ'' کا ذکر ہوا ہے جب کہ اُن کے نام مذکور نہیں۔ یہ چیز بھی اس کی علمی اور اِسنادی حیثیت کو کمزور کر دیتی ہے۔

......بصرہ منتقل ہوئے' وہاں سے مصر آئے' جہاں شادی کی اور سات سال تک وہیں رہے' پھر مدینہ منورہ واپس آئے اور وہیں ۹۳ھ = ۷۱۲ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۳: ۲۵۵' الاعلام ۴: ۲۲۶]

(۱) علی بن عمر بن احمد بن مہدی' ابوالحسن' دار قطنی' شافعی' اپنے دور کے امام في الحدیث و العِلَل تھے۔ آپ نے قراءت پر کتاب لکھی اور اس کے ابواب مقرر کیے۔ دار قطن [جو بغداد کا ایک قصبہ ہے] میں ۳۰۶ھ = ۹۱۹ء کو پیدا ہوئے' اور بغداد میں ۳۸۵ھ = ۹۹۵ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۳: ۲۹۷' تاریخ بغداد ۱۲: ۳۴' سیر اعلام النبلاء ۱۶: ۴۴۹]

ثابت بنانی[1] کا قبر میں نماز پڑھنا

مولانا محمد نعمان صاحب، فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ: ''حضرت عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھا حضرت حمید الطّویل بھی موجود تھے تو حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے حمید سے پوچھا کہ کیا انبیاء کے علاوہ بھی کوئی اپنی قبر میں نماز پڑھے گا[2]؟ آپ

---

(۱) ثابت بن اسلم بُنانی منسوب بُنانۃ بنوسعد بن لوی بن غالب۔ امام، قدوۃ اور شیخ الاسلام تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے۔ ائمہ علم وعمل میں سے تھے۔ ۱۲۷ھ کو ۸۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ امام ابن عدی لکھتے ہیں: اُن کی احادیث درست ہوتی ہیں اگر کوئی ثقہ راوی ان سے روایت کرے اور اُن کی روایات میں جو منکر ہیں اصل میں وہ اُن سے نقل کرنے والوں کی وجہ سے منکر ہیں اس لیے کہ اُن سے مجھولین اور ضعفاء کی ایک جماعت نے روایات نقل کی ہیں۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال ۲: ۳۰۸، ترجمہ: ۱۰/ ۳۱۸، سیر اعلام النبلاء ۵: ۲۲۰، ترجمہ: ۹۱]

(۲) یہ اَلأَنْبِیَاءُ أَحْیَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ کی طرف اشارہ ہے۔

''انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔''

اس روایت کو محدث بزار، امام ابویعلیٰ، حافظ ابن عدی اور امام بیہقی نے حیاۃ الانبیاء علیہم السلام بعد وفاتہم: ۷۰ میں نقل کیا ہے۔ محدث بزار اور حافظ ابن عدی کی سند اس طرح ہے: حسن بن قتیبہ مدائنی، از مستلم بن سعید ثقفی، از حجاج بن اسود، از ثابت بنانی از سیدنا انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً۔

[مسند البزار ۱۳: ۶۲، حدیث: ۶۳۹۱، الکامل فی ضعفاء الرجال ۳: ۱۷۳]

یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے کہ اس کا ایک راوی حسن بن قتیبہ مدائنی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن عدی کی رائے قدرے اچھی ہے جو لکھتے ہیں: لا بأسَ بہ ہے۔ [الکامل فی ضعفاء الرجال ۳: ۱۷۴]

لیکن حافظ ذہبی لکھتے ہیں: قلتُ: بل ھو ھَالِکٌ۔ [میزان الاعتدال ۱: ۵۱۹، ترجمہ: ۱۹۳۳]......

...... ”میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں: [نہیں] بلکہ وہ تو ہالک ہے۔“

آگے لکھتے ہیں: امام دارقطنی کہتے ہیں: متروک الحدیث تھا۔ امام ابوحاتم اسے ضعیف کہتے ہیں۔ امام ازدی کہتے ہیں: حدیث کے معاملے میں واہی [کمزور] ہے اور امام عقیلی کہتے ہیں: کثیر الوہم تھا۔

[میزان الاعتدال ۱: ۵۱۹' ترجمہ: ۱۹۳۳]

جب کہ امام ابویعلیٰ کی سند اس طرح ہے: یحییٰ بن ابی بکیر' از مستلم بن سعید' از حجاج' از ثابت بنانی از سیدنا انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً۔ [مسند ابی یعلیٰ ۶: ۱۴۷' حدیث: ۳۴۲۵]

یہ حدیث منکر ہے، اس لیے کہ اس کا راوی یحییٰ بن ابی بکیر کا اُستاذ مستلم بن سعید صدوق و عابد تھا اور بارہا وہم کا شکار ہوا۔ [تقریب التہذیب: ۷۸۵' ترجمہ: ۶۶۳۴]

امام بیہقی نے اسے مؤمل بن اسماعیل قرشی کی سند کے ساتھ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی نقل کیا ہے۔

[حیاۃ الانبیاء علیہم السلام بعد وفاتہم: ۷۴]

لیکن یہ روایت بھی چنداں معتبر نہیں اس لیے کہ:

- اس کا راوی مؤمل [بوزنِ محمد] بن اسماعیل قرشی صدوق ہونے کے ساتھ ساتھ سَیِّئُ الْحِفْظِ [خراب حافظے والا] تھا۔ [تقریب التہذیب: ۸۳۳' ترجمہ: ۷۰۷۸]

- اس روایت میں مؤمل بن اسماعیل قرشی کا استاذ عبیداللہ بن ابی حمید ہذلی ہے جو متروک الحدیث ہے۔

[تقریب التہذیب: ۵۲۵' ترجمہ: ۱۳۴۳]

حافظ ذہبی نے بھی حسن بن قتیبہ کی ضعیف روایات میں یہی روایت بطورِ مثال پیش کی ہے۔

[میزان الاعتدال ۱: ۵۱۸' ترجمہ: ۱۹۳۳]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حجاج بن الأسود نكرةٌ' ماروى عنه فيما أعلم سوى مستلم بن سعيد فأتى بخبر منكر عنه عن أنس في: أن الأنبياء أحياءٌ في قبورهم يصلون' رواه البيهقي.

[لسان المیزان ۲: ۱۷۵' ترجمہ: ۷۸۷]

”حجاج بن اسود اَن جانا راوی ہے۔ مسلم بن سعید کے علاوہ کسی اور نے اس سے روایت نہیں لی اس نے الأنبياء أحياءٌ في قبورهم والی منکر روایت نقل کی ہے' جسے بیہقی نے اس کی سند سے ذکر کیا ہے۔“

حافظ ابن قیم اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَحَدِيْثُ ذِكْرِ حَيَاتِهِمْ بِقُبُوْرِهِمْ ... لَمَّا يَصِحُّ وَ ظَاهِرُ النُّكْرَانِ

فَانْظُرْ إِلَى الإِسْنَادِ تَعْرِفْ حَالَهُ ... إِنْ كُنْتَ ذَا عِلْمٍ بِهٰذَا الشَّانِ

نے اِس بارے میں کیا سنا ہے؟ حضرت حمید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کسی اور کے لیے تو ہم نے نہیں سنا' تو حضرت ثابت نے یوں دعاء کی کہ اے اللہ! اگر تو نے انبیاء علیہم السلام کے سوا بھی کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو مجھے بھی قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دینا۔ حضرت جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اپنے ہاتھوں سے حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کی قبر میں اُتارا۔ میرے ساتھ حمید الطّویل بھی تھے، جب ہم آپ کے اوپر کچی اینٹیں برابر کر رہے تھے اُس وقت ایک اینٹ قبر میں گر گئی تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔'' [سلف صالحین کے ایمان افروز واقعات ۷۷-۷۸]

مولانا محمد نعمان صاحب نے اسے حافظ سیوطی کی شرح الصدور [صفحہ:۱۷۰' روایت: ۸۰۸-۸۰۹] کے حوالے سے لکھا جب کہ حافظ سیوطی نے اسے حافظ ابونعیم (۱) کے حوالے سے درج کیا ہے۔ اس کہانی کی سند یہ ہے: عثمان بن محمد عثمانی' از اسماعیل بن الکرابیسی' از محمد بن سنان القزاز' از شیبان بن جسر' از والدِ اُو۔ [حلیۃ الاولیاء ۲:۳۱۹]

اس سند میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کا پہلا راوی عثمان بن محمد بن عثمان بن محمد بن عبدالملک ابوعمرو عثمانی ہیں جن کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

أكثَرَ عنه أبو نُعيم الحافظ في تواليفه' وهو ليس بصاحب حديثٍ لكنه راويةٌ

......[القصيدة النونية: ۱۴۵]

''قبروں میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی [دنیاوی] زندگی والی حدیث ہرگز صحیح نہیں ہے بلکہ ظاہر باہر منکر ہے تو اس کی سند میں غور و فکر کرو' تم اس کی حیثیت جان لو گے' اگر تو اس فن [اسماءِ رجال] کے شہ سواروں میں سے ہو۔''

(۱) احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی' ابونُعیم' حافظ حدیث اور مؤرخ تھے۔ اصفہان میں ۳۳۶ھ = ۹۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ حفظ و روایتِ حدیث میں ثقہ مانے جاتے ہیں۔ اصفہان ہی میں ۴۳۰ھ = ۱۰۳۸ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۱:۹۲' تذکرۃ الحفاظ ۳:۱۰۹۲' الاعلام ۱:۱۵۷]

للموضوعات و العجائب. [تاریخ الاسلام ۸: ۵۲۸، طبقہ: ۳۷، ترجمہ: ۱۳۲۰۱]

''حافظ ابونعیم نے اپنی تالیفات میں اُن سے بکثرت نقل کیا ہے، لیکن یہ راوی محدث نہیں بلکہ موضوعات وعجائبات نقل کرتا ہے۔''

اس کا دوسرا راوی اسماعیل بن الکرابیسی ہے جن کا ترجمہ نہیں مل سکا۔

تیسرا راوی محمد بن سنان بن یزید القزاز البصری ہے جس کے بارے میں محدث عبدالرحمٰن بن خراش کہتے ہیں: کذاب تھا۔

[الجرح والتعدیل ۷: ۲۷۹، ترجمہ: ۱۵۱۷، تاریخ بغداد ۵: ۳۴۵، ترجمہ: ۲۸۶۰]

امام ابوداود سجستانی کہتے ہیں: کذاب تھا۔ [سؤالات ابی عبید الآجری اباداود سلیمان بن الاشعث السجستانی: ۲۸۳، ۲۸۴، نص: ۱۸۵۶، ۱۸۵۹، تاریخ بغداد ۵: ۳۴۴]

چوتھا راوی شیبان بن جسر ہے۔ شیبان/ شبان اصل میں لقب ہے اور اس راوی کا نام جعفر بن جسر بن فرقد القصاب ہے۔ [الجرح والتعدیل ۲: ۴۷۶، ترجمہ: ۱۹۳۸]

امام ابن حبان نے الثقات میں اُن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

يُعتبَرُ بحديثه إذا رَوَى عن غيرِ أبيه. [الثقات ۸: ۱۶۰]

''اپنے والد کے علاوہ کسی اور راوی سے روایت بیان کرے تو اُس کا اعتبار کیا جائے گا۔''

اور یہاں یہ روایت اپنے والد سے نقل کرتے ہیں لہٰذا اِس کا کوئی اعتبار نہیں۔

حافظ ابن عدی لکھتے ہیں: میں نے جعفر بن جسر کے حوالے سے جتنی روایتیں نقل کی ہیں، ساری کی ساری منکر ہیں بلکہ اس راوی کی عام روایتیں منکر ہوتی ہیں۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال ۲: ۳۹۱، ترجمہ: ۱۹/۳۴۴]

اس کا آخری راوی جسر بن فرقد ابوجعفر ہے جن کے بارے میں امام بخاری لَيْسَ بِذَاكَ ''کچھ خاص نہیں'' کے الفاظ لکھتے ہیں۔ [التاریخ الکبیر ۲: ۲۴۶، ترجمہ: ۲۳۴۳]

حافظ ابن حبان لکھتے ہیں کہ ان پر زہد وتقشّف کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے احادیث نقل کرنے

میں وہم اور خطأ کا شکار ہوا کرتے تھے یہاں تک کہ عادل ہونے کی حد سے نکل گئے۔

[المجروحین ۱:۲۵۸' ترجمہ:۱۹۲]

کاش! یہ لوگ حدیث وروایات اور واقعات اور کہانیوں کی اَسانید سے بحث کر کے اُن کی صحت وعدم صحت اور موضوع ومن گھڑت ہونے کی چھان بین کے بعد واقعات نقل کرتے تو کتنا اچھا ہوتا اور کتنے لوگوں کے عقائد خراب ہونے سے محفوظ رہتے!! یا اس واقعہ کے بارے میں حافظ ذہبی کا یہ ارشاد مدنظر رکھتے کہ: ثابت بنانی یہ دعاء کیا کرتے تھے کہ: یارب! اگر تو کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیا ہے تو مجھے بھی اس سے نواز دے اور: فَيُقَالُ: إِنَّ هذه الدعوةُ استُجِيبَتْ له' وإنه رُئِيَ بعدَ موته يُصَلِّي في قبره فيما قِيْلَ.

[سیر اعلام النبلاء ۵:۲۲۲]

''پس کہا جاتا ہے کہ اُن کی یہ دعاء قبول ہوئی اور کسی نے اُنہیں وفات پا جانے کے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں، جیسا کہ کہا گیا ہے۔''

حافظ ذہبی نے فَيُقَالُ اور فِيْمَا قِيْلَ کہہ کر دوبار اس واقعہ کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جانور کا دودھ پینے سے رضاعت کا مسئلہ

کہا جاتا ہے کہ امام بخاری بغداد سے واپس آئے تو فتویٰ دینا شروع کیا۔ بخارا کے مشہور عالم وفقیہ ابوحفص کبیر (۱) ۔جو امام محمد (۲) کے شاگرد تھے۔ نے اُن کو فتویٰ دینے سے منع کیا لیکن وہ نہ مانے۔ امام بخاری سے کسی نے رضاعت کا مسئلہ پوچھا کہ اگر دو بچے گائے یا بکری کا دودھ پی لیں تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟ اُنہوں نے حرمت کا فتویٰ دے دیا جس کے نتیجے میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور امام بخاری کو اپنے وطن کو خیر باد کہنا پڑا۔

یہ واقعہ علماءِ احناف کی ان کتابوں میں درج ہے:

-۱: المبسوط ۵: ۱۳۹-۱۴۰؛ ۳۰: ۲۹۷' امام سرخسی، المتوفیٰ وفات: ۴۸۳ ھ

-۲: فتح القدیر ۳: ۴۵۷' علامہ ابن ہمام، المتوفیٰ: ۶۸۱ ھ

---

(۱) فقیہ' علامہ' شیخ ماوراء النہر' فقیہ مشرق احمد بن حفص۔ ۱۵۰ھ کو پیدا ہوئے۔ عرصہ دراز تک امام محمد کی صحبت میں رہے۔ فقہ واجتہاد میں مہارت حاصل کی۔ وکیع بن جراح' ابواسامہ اور اس طبقہ کے محدثین سے علم حاصل کیا۔ ۲۱۷ھ کو بخارا میں وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۰: ۱۵۷' ترجمہ: ۲۲]

(۲) محمد بن حسن بن فرقد۔ فرقد بنوشیبان کے موالی میں سے تھے۔ ابوعبداللہ' فقہ اور اصول کے امام تھے۔ امام ابوحنیفہ کے علم کو آپ نے پھیلایا اُن کی اصل غوطة دمشق کے گاؤں حرستة سے تھا۔ ۱۳۱ھ = ۷۴۸ء کو واسط میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں پلے بڑھے۔ امام ابوحنیفہ کے قریبی ساتھی رہے ہیں' اُن سے حصول علم کے بعد بغداد تشریف لے گئے' وہاں ہارون الرشید نے اُنہیں قضا کی ذمہ داری سونپ دی پھر اُنہیں معزول کیا اور جب خراسان جانے کے لیے نکل پڑے تو اُنہیں اپنے ساتھ لے لیا اور اسی سفر کے دوران ۱۸۹ھ = ۸۰۴ء کو آپ نے ''رے'' میں وفات پائی۔

[الفوائد البہیۃ: ۲۶۸' ترجمہ: ۳۴۳' الاعلام ۶: ۸۰]

۳- کشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي ۱:۶۰' علامہ عبد العزیز بن احمد بخاری، المتوفی: ۷۳۰

۴- تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۲:۱۸۶' علامہ زیلعی، المتوفی وفات: ۷۴۳ھ

۵- الجواهر المضیئة في طبقات الحنفیة: ۴۷' بذیل ترجمہ احمد بن حفص الکبیر: ۱۰۱' علامہ عبد القادر قرشی، المتوفی: ۷۷۵

۶- شرح العِنایة عَلی الهِدایة' برہامش فتح القدیر ۳:۴۵۹-۴۶۰' علامہ بابرتی، المتوفی: ۷۸۶ھ

۷- الفوائد البهیة في تراجم الحنفیة: ۳۹' بذیل ترجمہ احمد بن حفص ابوحفص الکبیر' مولانا عبد الحی لکھنوی، المتوفی: ۱۳۰۴ھ

علامہ ابن الہمام (۱) نے اس واقعہ اور فتویٰ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: و مَن لَّم یدق نظره في مناطات الأحکام و حکمها کَثُرَ خطؤه. [فتح القدیر ۳:۴۵۷]

"احکامِ شرعیہ کے علل واسباب پر جس کی گہری نظر نہ ہو اِس قسم کی غلطیاں اُس سے بکثرت سرزد ہوتی ہیں۔"

اور علامہ عبد القادر قرشی (۲) لکھتے ہیں: فأخطأ لِفَوَاتِ الرأي' و هو أنهم لم یتأمّل أنَّ الحکم متعلقٌ بالجزئیة و البَعضیة' و ذلك إنما یثبت بین الآدمیین' لَا بَیْنَ الشاةِ و

---

(۱) محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود سیواسی اسکندری کمال الدین' حنفی فقیہ اور عالم تھے۔ اصول' تفسیر' فرائض' فقہ' حساب' لغت' موسیقی اور منطق کے ماہر عالم تھے۔ ۷۹۰ھ = ۱۳۸۸ء کو اسکندریہ میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ میں پرورش ہوئی۔ حلب میں کافی عرصہ تک رہے ہیں۔ ۸۶۱ھ = ۱۴۵۷ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ [الضوء اللامع ۸:۱۰۸' ترجمہ: ۱۳۴۱' الاعلام ۶:۲۵۵]

(۲) عبد القادر بن محمد بن نصر اللہ قرشی ابو محمد محیی الدین۔ ۶۹۶ھ = ۱۲۹۷ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ تراجم کے عالم' حافظ حدیث اور حنفی فقیہ تھے۔ کئی علمی کتابیں لکھیں۔ ۷۷۵ھ = ۱۳۷۳ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ [الدرر الکامنة ۲:۳۹۲' الاعلام ۴:۴۲]

الآدمي.[کشف الاسرار ا:۶۰]

''اجتہاد کے عدم موجودگی سے خطأً کا شکار ہو گئے اس لیے کہ انہوں نے حکم کے بارے میں یہ نہ سوچا کہ یہ تب لاگو ہوتا ہے جب جزئیت یا بعضیت کا کوئی تعلق ہو جو انسانوں کے مابین قائم ہوتا ہے۔ بکری اور انسان کے درمیان یہ رشتہ قائم نہیں۔''

آپ دیکھتے ہیں کہ اس بڑے واقعہ کو امام سرخسی [1] سے قبل کسی نے بھی نقل نہیں کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ امام بخاری اور امام سرخسی کے مابین کم از کم تین سو سال کا طویل زمانہ ہے۔ امام سرخسی کو یہ بات کن ذرائع سے معلوم ہوئی۔ اُن کی سند کیسی ہے۔ راوی ثقہ ہیں یا غیر ثقہ؟ یہ ساری کتابیں اس کی سند سے خاموش ہیں اس لیے علمی دنیا میں اس کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں چہ جائے کہ اس سے یہ استدلال کیا جائے کہ امام بخاری فقیہ نہ تھے۔

یہ روایت اس لیے بھی مشکوک ہے کہ ایک معمولی دین کی سمجھ رکھنے والا انسان بھی ایسی حماقت نہیں کر سکتا چہ جائے کہ امام بخاری جیسے محدث ایسا غلط فتویٰ دیں۔ اس لیے محققین علماء اس روایت کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی [2] لکھتے ہیں: لكنني أستبعدُ وقوعها بالنسبة إلى جلالة قدرالبخاري ودِقَّةِ فهمه وَسِعةِ نَظَرِه وغَوْرِ فكره مما لا يَخفَى على من انتفع بصحيحه ' و على تقدير صحتها

---

(۱) محمد بن احمد بن سہل ابو بکر، شمس الائمہ، قاضی اور حنفی فقیہ و مجتہد تھے۔ سرخس [خراسان] سے تعلق تھا۔ المبسوط اُن کی نہایت قیمتی تصنیف ہے، جسے اوزجند [فرغانہ] کے جیل میں تہہ خانہ میں اَسارت کی حالت میں اِملاء کروایا۔ خاقان کو نصیحت کرنے کی پاداش میں جیل کی ہوا کھانی پڑی تھی۔ رہائی کے بعد فرغانہ میں رہائش اختیار کی جہاں ۴۸۳ھ = ۱۰۹۰ء کو وفات پائی۔ [المنتظم ۹:۵۲، الاعلام ۵:۳۱۵]

(۲) عبدالحی بن عبدالحلیم بن امین اللہ، ابوالحسنات، فرنگی محلی، موضع باندہ میں ۱۲۶۴ھ = ۱۸۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں علوم دینیہ کے حصول سے فارغ ہو گئے۔ حدیث اور فقہ حنفی کے جید عالم تھے۔ اصول و فروع میں حنفی ہونے کے باوجود مذہب کے معاملہ میں غیر متعصب اور دلیل کے پیچھے پیچھے چلنے والے تھے۔ ۱۳۰۴ھ = ۱۸۸۶ء کو وفات پائی۔ [نزہۃ الخواطر ۸:۲۵۲، تذکرہ علمائے ہند:۲۸۶]

فالبشرُ یُخطئُ. [الفوائد البھیة:۳۹]

''لیکن میں امام بخاری جیسے جلیل القدر، دقیق فہم، وسیع النظر اور نہایت گہری فکر رکھنے والے کی شان سے اس قسم کی غلطی مستبعد جانتا ہوں۔ میری یہ بات اُن لوگوں پر مخفی نہیں ہوگی جنہوں نے اُن کی کتاب صحیح بخاری سے استفادہ کیا ہو اور اگر یہ نسبت صحیح بھی ہو تو انسان تو خطاً کا شکار ہوتے ہیں۔''

جنگِ یرموک کا ایک واقعہ

کہتے ہیں کہ حارث بن ہشام (۱) عکرمۃ بن ابی جہل (۲) اور عیاش بن ابی ربیعہ (۳) کو جنگ یرموک کے روز شدت سے پیاس لگی۔ حارث نے پانی منگایا تا کہ اپنی تشنگی بجھا دے، تو عکرمۃ نے طلب کے انداز میں اُس کی طرف دیکھا۔ حارث نے پانی لانے والے سے کہا اسے عکرمہ کو پلایا جائے، ساقی اس کے پاس پہنچا ہی تھا کہ عیاش نے للچاتی ہوئی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ عکرمہ نے ساقی سے کہا: یہ عیاش کے پاس لے چلو، وہ ابھی عیاش کے پاس پہنچا ہی تھا کہ اس کی روح پرواز کر گئی، ان تینوں میں سے کسی نے پانی نہیں پیا اور سب

---

(۱) حارث بن ہشام بن مغیرۃ مخزومی قرشی ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ۔ جاہلیت و اسلام میں شریف و بزرگ تھے۔ غزوۂ بدر میں مشرکین کی طرف سے لڑے مگر شکست کھائی جس پر سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اُن کی ہجو کی اور اشعار اُن کے پاس بھیج دیے جس کا انہوں نے عذر پیش کر کے جواب دیا۔ فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اہل و عیال اور مال سمیت شام چلے گئے۔ ۱۸ھ = ۶۳۹ء کو طاعون عمواس میں وفات پائی۔ ابوجہل بن ہشام کے بھائی ہیں۔

[الاستیعاب: ۲:۱۷، ترجمہ: ۴۴۴، الاعلام ۲: ۱۵۸]

(۲) عکرمۃ بن ابی جہل عمرو بن ہشام مخزومی قرشی۔ جاہلیت اور اسلام میں قریش کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ اپنے والد کی طرح اسلام کا شدید دشمن تھا۔ فتح مکہ مکرمہ کے بعد اسلام قبول کیا جس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ ۶۲ سال کی عمر میں ۱۳ھ = ۶۳۴ء کو وفات پائی۔

[الاستیعاب: ۵۲۴، ترجمہ: ۱۸۵۰، الاعلام ۴: ۲۴۴]

(۳) عیاش بن ابی ربیعۃ عمرو بن مغیرۃ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم رضی اللہ عنہ۔ نہایت قدیم الاسلام ہیں۔ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں۔ ابوجہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ غزوۂ یرموک یا مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ [اسد الغابۃ: ۹۷۵، ترجمہ: ۴۱۴۷]

کے سب پانی پیے بغیر وفات پا گئے۔[المستدرک ۳:۲۴۲]

یہ واقعہ زبان زد عام وخاص ہے۔گورنمنٹ سکولوں کے جماعت ہشتم کے انگریزی کی کتاب Middle stage english book 3 کے صفحہ: ۱۱ پر A Noble Deed کے عنوان سے اسے شامل نصاب کیا گیا ہے۔

اس واقعہ کے بارے میں امام ابن قتیبہ (۱) لکھتے ہیں: یہ روایت میرے نزدیک موضوع ہے کیونکہ اہلِ سیرت وتاریخ نے لکھا ہے کہ عکرمہ ۱۳ ہجری کو جنگ اجنادین میں شہید ہوئے تھے۔عیاش مکۃ مکرمہ میں وفات ہوئے تھے جب کہ حارث بن ہشام نے طاعون عمواس میں ۱۸ ہجری کو شام میں وفات پائی تھی۔[عیوان الاخبار ا:۲۶۳، تحقیق: ڈاکٹر یوسف علی الطّویل]

واقعہ اجنادین ۱۸ جُمادی الأولی ۱۳ ہجری کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک ماہ قبل پیش آیا تھا۔[ہامش سیر اعلام النبلاء ا:۳۱۴]

سیدنا حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کے بارے میں حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں: اجنادین [۱۳ ہجری] یا طاعون عمواس میں [۱۸ ہجری] وفات پا گئے۔[المنتظم ۴:۲۵۸]

یاد رہے کہ جنگ یرموک ۱۲ رجب ۱۵ھ = ۲۰/ اگست ۶۳۶ء کو لڑی گئی تھی۔

[اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۲۳:۲۸۶]

سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ ۱۵ ہجری کو جنگ یرموک میں شہادت پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ا:۳۱۶]

(۱) عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری۔ادب کے بہت بڑے امام تھے۔۲۱۳ھ = ۸۲۸ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔کوفہ میں رہائش پذیر ہوئے۔کچھ عرصہ تک دینور کے قاضی رہے ہیں اس لیے دینوری کہلائے۔ بغداد ہی میں ۲۷۶ھ = ۸۸۹ء کو وفات پائی۔[وفیات الاعیان ۳:۴۲، الاعلام ۴:۱۳۷]

چار گواہ پیش کرو یا خاموش رہو!

ایک دوست نے اردو کی کسی کتاب کے حوالے سے استفسار کیا کہ اس میں لکھا ہے کہ ایک شب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رعایا کا حال معلوم کرنے کے لیے مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کے لیے نکلے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مرد اور عورت زنا میں مشغول ہیں۔ صبح انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جا کر پوچھا کہ کیا میں امیر المؤمنین ہونے کے ناطے چشم دید گواہ بن کر اِن دونوں پر حد جاری کر سکتا ہوں؟ تو انہوں نے نفی میں جواب دیا اور جب اُن کا اس بارے میں اِصرار بڑھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا کہ یا چار گواہ پیش کرو اور یا خاموش رہو۔

مسلمان اہل علم کے ہاں یہ متفق علیہ طور پر طے ہے کہ کسی کو زنا کی حد اور سزا تب دی جائے گی جب اُس پر چار عینی گواہ پیش ہو جائیں یا ملزم خود اس کا اقرار کرے۔ اس بارے میں وہ ان نصوص سے استدلال و استناد کرتے ہیں:

-۱: وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْکُمْ.

[سورۃ النساء ۴: ۱۵]

''اور تمہاری عورتوں میں جو کوئی بدکاری کرے تو اُن پر اپنے چار مرد گواہ لاؤ۔''

-۲: اگر کوئی اکیلا شخص ایسی گواہی دے گا اور اُس کے ساتھ گواہی کا نصاب پورا نہ ہو یعنی چار گواہ پورے نہ ہوں تو ایسا شخص جھوٹا قرار دیا جائے گا اور اُسے حدِ قذف دیا جائے گا:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا. [سورۃ النور ۲۴: ۴]

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں تو اُن کو اَسّی کوڑے لگاؤ اور اُن کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔''

لَوْلَا جَآءُ وْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُوْلٰئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ. [سورۃ النور۲۴:۱۳]

''وہ کیوں اِس بات پر چار شاہد نہ لائے؟ پھر جب شاہد نہ لائے تو وہ لوگ اللہ کے ہاں وہی ہیں جھوٹے۔''

۔۳۰: سیدنا سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ (۱) نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ: إنْ وجدْتُ مع امرأتي رجلاً أؤُمْهِلُهُ آتِي بأربَعَةِ شُهدَآءَ؟قال:نعم.

[صحیح مسلم، کتاب اللعان[۱۹] حدیث:۳۷۶۲]

''اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو کیا چار گواہ لانے تک اُسے مہلت دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں!''

رہا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب واقعہ، سو سیرت اور حدیث کی کتابوں میں اس کا کوئی وجود ہی نہیں اس لیے یہ باطل، جھوٹ اور خالص افتراء ہے۔ امام بخاری نے تعلیقاً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اُنہوں نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا: لو رأيتَ رجلاً على حَدِّ -زِنا أو سَرَقَةٍ- وأنتَ أميرٌ؟ قال:شهادتُك شهادةُ رجلٍ من المسلمين،قال:صدقتَ.

[صحیح بخاری، کتاب الاحکام[۹۳] باب الشہادۃ تکون عند الحاکم فی ولایۃ القضاء[۲۱] تعلیقاً]

''اگر تم خود کسی کو زنا کرتے دیکھو یا وہ تمہارے سامنے چوری کا ارتکاب کرے اور تم خود فیصلہ کرنے والے ہو تو؟ انہوں نے کہا: تیری گواہی ایک عام مسلمان کی گواہی کی طرح

---

(۱) سعد بن عُبادۃ بن دُلیم بن حارثہ خزرجی ابو ثابت رضی اللہ عنہ۔ صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ سے تھے۔ قبیلہ اوس کے سید اور نقیب تھے۔ جاہلیت و اسلام دونوں میں شرافت و بزرگی حاصل تھی۔ کتابت، تیر اندازی اور تیرنے کے فن میں مہارت حاصل تھی جس کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں ''الکامل'' کے لقب سے نوازے گئے تھے۔ ۱۴ھ = ۶۳۵ء کو شام میں وفات پائی۔ [اسد الغابۃ: ۴۶۸:۲، ترجمہ ۲۰۱۳، الاعلام ۳:۸۵]

ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے درست کہا۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس میں اِنقطاع ہے۔[تغلیق التعلیق ۳: ۳۲۵]

لیکن امام عبدالرزاق (۱) اور امام ابن ابی شیبۃ (۲) نے اپنی سند کے اس کو موصولاً نقل کیا ہے۔

[مصنف عبدالرزاق ۸: ۳۴۰، روایت: ۱۵۴۵۶، مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۴: ۵۶۲، روایت: ۲۹۴۸۰]

حافظ ابن قیم (۳) نے اس اثر کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس قسم کی روایت سیدنا معاویہ (۴) اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔[الطرق الحکمیۃ: ۲۰۳]

---

(۱) عبدالرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی، ۱۲۶ھ = ۷۴۴ء کو پیدا ہوئے۔حافظ حدیث تھے۔تقریباً ۱۷ ہزار احادیث زبانی حفظ تھیں۔امام اسحاق بن راہویہ، امام احمد بن محمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام ذہلی جیسے علماءِ حدیث کے استاذ محترم ہیں۔۲۱۱ھ = ۸۲۷ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۳: ۲۱۶، الاعلام ۳: ۳۵۳]

(۲) عبداللہ بن محمد بن قاضی ابی شیبۃ ابراہیم بن عثمان بن خُواستی، العبسی، مولا ہم، الکوفی، ابوبکر۔۱۵۹ھ = ۷۷۶ء کو پیدا ہوئے۔حافظ حدیث اور حنفی فقیہ تھے۔۲۳۵ھ = ۸۴۹ء کو وفات پائی۔امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور امام علی ابن المدینی کے اَقران میں سے تھے۔[سیر اَعلام النبلاء ۱۱: ۱۲۲، الاعلام ۴: ۱۱۷]

(۳) محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد زُرَعی، دمشقی، ابوعبداللہ، شمس الدین، اکثر و بیشتر علوم اسلامیہ پر ان کو دسترس تھی، ۶۹۱ھ = ۱۲۹۲ء کو پیدا ہوئے۔اپنے دور کے بہت بڑے محدّث، مفسر، فقیہ اور متکلم تھے۔امام ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا اور ان کے علوم پر امام ابن تیمیہ ہی کا رنگ غالب رہا۔۷۵۱ھ = ۱۳۵۰ء کو وفات پائی۔[البدایۃ والنہایۃ ۱۴: ۲۲۱، الاعلام ۶: ۵۶]

(۴) معاویہ بن ابی سفیان [صخر] رضی اللہ عنہما بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، قرشی اموی، ۲۰ ق ھ = ۶۰۳ء کو مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے۔فصیح و حلیم اور باوقار تھے۔عمرۃ القضاء کے سال اسلام قبول کیا۔شام میں دولت اموی کے بانی ہیں اُنہیں پہلا بحری اسلامی جنگ لڑنے کا شرف بھی حاصل ہے۔کاتب وحی تھے۔۶۰ھ = ۶۸۰ء کو دمشق میں وفات پائی۔

[اسد الغابۃ: ۱۱۴۵، ترجمہ: ۴۹۸۶، الاعلام ۷: ۲۶۱]

اب آیئے اس من گھڑت واقعہ کی طرف، اسے امام غزالی (۱) نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

رُوِيَ أنَّ عُمَرَ كان يعسُّ بالمدينة....... [إحیاء علوم الدین۲:۲۰۰]

''روایت کی گئی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک رات رعایا کا حال معلوم کرنے کے لیے مدینہ منورہ میں گشت لگا رہے تھے۔''

اس سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ سند دین میں سے ہے جب اس روایت کی کوئی سند مذکور نہیں تو یہ کیسے معلوم ہو کہ جن سے یہ روایت نقل کی گئی ہے، وہ کون تھے؟ کیسے تھے؟ ثقہ تھے یا کذاب اور وضّاع ؟ کچھ نہیں معلوم! امام غزالی کو پہلے یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ کیا یہ روایت ثابت بھی ہے یا نہ؟ اس قسم کی روایتیں عموماً روافض کی وضع کردہ ہوتی ہیں جو اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ کسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوقیت دوسرے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر ثابت کریں۔

امام غزالی کی سب سے بڑی اور مشہور و اہم تصنیف اِحیاء علومِ الدین ہے' جسے عرف عام میں احیاء العلوم کہا جاتا ہے جس کے متعلق حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ نہایت مفید کتاب ہے لیکن اس میں بے شمار موضوع احادیث موجود ہیں نیز اس میں ایسی صوفیانہ اور زاہدانہ عبادات و رسوم کا ذکر بھی ہے جن کی کوئی شرعی بنیاد نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے علم نافع طلب کرتے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ علمِ نافع کیا ہے؟ علمِ نافع وہ ہے جو قرآن کریم میں موجود ہو' جس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے قولاً و فعلاً کی ہو اور جس سے آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا ہو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: جو میری سنت سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں۔ تو میرے

---

(۱) محمد بن محمد' غزالی' طوسی' ابو حامد صوفی اور فلسفی تھے۔ تقریباً دو سو کتابیں تصنیف کیں۔ ۴۵۰ھ = ۱۰۵۸ء کو طابران میں پیدا ہوئے جو صوبہ خراسان کے طوس شہر کا مضافاتی گاؤں تھا اور اسی گاؤں میں ۵۰۵ھ = ۱۱۱۱ء کو وفات پائی۔ نیشا پور' بغداد' حجاز اور شام و مصر کے سفر کیے۔
[وفیات الاعیان ۴:۲۱۶' العبر فی خبر مَن غَبر ۲:۳۸۷' الاعلام ۷:۲۲]

بھائی! کتاب اللہ میں غور وفکر اور تدبر کرو۔ صحیحین، سنن نسائی اور امام نووی [1] کی ریاض الصالحین اور الاذکار کو ہمیشہ مطالعہ کر لیا کرو۔ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوگے۔ فلسفی عابدوں کے خیالات وآراء، چلہ کشوں کے وظائف واعمال اور راہبوں جیسے بھوک پیاس سے ہمیشہ دور رہو، اس لیے کہ نجات اور کامیابی صرف اور صرف اتباع رسول میں ہے اور بس! [سیر اعلام النبلاء ۱۹: ۳۳۹-۳۴۰]

علامہ تاج الدین سبکی نے ایسی بے شمار روایات نقل کی ہیں، جن کی سند انہیں نہ مل سکی۔

[طبقات الشافعیۃ الکبری ۶: ۲۸۷-۳۸۹]

(۱) یحییٰ بن شَرَف بن مَرِی بن حسن، نووی، شافعی، ابوزکریا، سوریا کے علاقے حوران کے گاؤں [نوی] میں ۶۳۱ھ = ۱۲۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے دمشق گئے اور طویل مدت تک وہاں اقامت پذیر رہے۔ اپنے ہی گاؤں میں ۶۷۶ھ = ۱۲۷۷ء کو وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۴: ۱۴۷۰، الاعلام ۸: ۱۴۹]

حامل کفن

قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب عقیدۂ حیاۃ النبی ﷺ پر قطعی دلائل پیش کرتے ہوئے ایک دلیل یہ بھی لکھتے ہیں کہ محمد بن یحییٰ ایک شخص فوت ہو گیا۔ اُس کو دفن کر دیا گیا۔ رات کو کفن چوروں نے اُس کی قبر کھودی تو وہ اچانک بیٹھ گیا اور دوڑتا ہوا گھر آ پہنچا، کافی زمانہ زندہ رہا اُس کو حَـامِـلُ کَفَنِہٖ کہا جاتا ہے یعنی وہ شخص جو اپنا کفن اُٹھا کر لے آیا۔ اسی طرح ایک آدمی کو دفن کے بعد جب کفن چوروں نے اُس کی قبر کھودی تو وہ زندہ ہو کر بھاگ آیا پھر کافی عرصہ زندہ رہا اُس کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا دیا جس کا نام مالک تھا۔

[رحمت کائنات ﷺ: ۲۰۷، مطبوعہ: شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ = جون ۲۰۱۴ء]

یہ تو ایک مستقل بحث ہے کہ کیا کسی عقیدہ کو حکایات یا خوابوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے؟ ہم یہاں اس سے بحث نہیں کرتے بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ قاضی صاحب نے ان واقعات کو بلا تبصرہ نقل کر کے اچھا نہیں کیا۔ اُنہیں اس پر تبصرہ کرنا چاہیے تھا نیز انہوں نے علمی امانت اور دیانت کا لحاظ کیے بغیر یہ واقعات لکھے ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ اصل حقیقت کیا ہے!

۱- پہلے واقعہ کے بارے میں خطیب بغدادی -جن کی پیدائش ۳۹۲ھ کو ہوئی- نے محمد بن یحییٰ ابو سعید عرف حامل کفنہ کے بارے میں لکھا ہے -جن کی وفات ۲۹۹ھ کو ہوئی- کہ:

بَلَغَنِي أن المعروف بحامل كَفَنِه......

[تاریخ بغداد ۴: ۱۹۴، ترجمہ: ۱۸۷۲، البدایۃ والنہایۃ ۱۱: ۱۱۵]

''مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حامل کَفَنِہ..........۔''

خطیب بغدادی نے ''بَلَغَنِي'' کہہ کر یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ یہ پہنچانے والے کیسے ہیں؟ ثقہ ہیں یا کذاب، وضّاع اور جھوٹے ہیں؟ جب نقل کرنے والوں نے اس

کی کوئی سند ہی نہیں لکھی تو اس کو عقیدہ کے باب میں کیوں پیش کیا جاتا ہے؟
پھر یہ بھی ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اس پر جو تبصرہ لکھا ہے، اسے نہیں پڑھا گیا۔ حافظ صاحب موصوف لکھتے ہیں:

كأنَّهُ قد أصابتهُ سكتَةً ولم يكن قد مات حقيقةً فقدَّرَ اللّٰه بحوله وقوته أنْ بعثَ له هذا النَّبَّاشَ فَفتَحَ عليه قبره فكان ذلك سبب حياته ' فعاشَ بعد ذلك عدَّةَ سنين ثم كانت وفاته في هذه السنة.[البداية والنهاية ۱۱:۱۱۵]

''ایسا معلوم ہوتا کہ اُسے سکتہ لاحق ہوا تھا اور اُس پر حقیقۃً موت نہیں آئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اسے بچانے کے لیے یہ انتظام کیا کہ ایک نباش[کفن چور] کو اُٹھایا جس نے اُس کی قبر کھول دی اور یہ اُس کی حیات کا سبب بنا۔ وہ اس کے بعد کئی سال تک زندہ رہا اور پھر اِسی سال یعنی ۲۹۹ھ کو فوت ہوا۔''

میری سمجھ سے باہر ہے کہ جب وہ شخص مرا نہیں تو اُس کی کہانی کا عقیدۂ حیات سے کیا تعلق ہے؟

حسنین رضی اللہ عنہما(۱) کی سواری

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دَخلتُ علی النبي ﷺ وهو يَمشي على أربعةٍ وعلى ظهره الحسن و الحسين رضي الله عنهما وهو يقول: نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُكُمَا وَنِعْمَ الْعِدْلَانِ أَنْتُمَا. [المعجم الكبير ۳:۵۲، روایت: ۲۶۶۱]

''میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں داخل ہوا۔ آپ چار پیروں پر جا رہے تھے اور سیدنا حسن (۲) اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما (۳) آپ کی پیٹھ پر سوار تھے اور آپ فرماتے ہیں: تمہارے دونوں کا اونٹ بہترین اونٹ ہے اور تم دونوں بہترین سوار ہو۔''

عِدْلَان: اُن دو سواروں کو کہتے ہیں جو کجاوے میں آمنے سامنے بیٹھے ہوں تاکہ توازن برابر رہے۔

حافظ ابو بشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی (۴) لکھتے ہیں: قال أبو عبد الرحمن: هذا حديث

---

(۱) سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔

(۲) حسن بن علی رضی اللہ عنہما، ہاشمی قرشی ابو محمد، پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ ۳ھ = ۶۲۴ م کو مدینہ منورہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ عاقل، حلیم، فصیح و بلیغ اور بہت حسین و جمیل تھے۔ مکہ معظمہ کو پیدل جا کر ۲۲ حج ادا کیے۔ ۵۰ھ = ۶۷۰ء کو وفات پائی۔

[الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱: ۳۲۸، الاعلام ۲: ۱۹۹]

(۳) حسین بن علی رضی اللہ عنہما، ہاشمی قرشی ابو محمد، ۴ھ = ۶۲۵ م کو مدینہ منورہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ۶۱ھ = ۶۸۰ء کو ظلماً شہید کیے گئے۔

[الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱: ۳۳۲، الاعلام ۲: ۲۴۳]

(۴) محمد بن احمد بن حماد بن سعد بن مسلم ابو بشر الانصاری بالولاء، الرازی، الدولابی، الوراق۔ ۲۲۴ھ = ۸۳۹ء کو پیدا ہوئے۔ ''رے'' کے ایک قصبے ''دولاب'' سے تعلق تھا اس لیے الدولابی کہلائے۔ وراق، مؤرخ اور حافظِ حدیث تھے۔ حصولِ حدیث کے لیے سفر کیے۔ مصر کو اپنا مسکن بنایا۔ ۳۱۰ھ = ۹۲۳ء......

منکرٌ،یشبه أن یکو ن باطلاً. [الکنیٰ والاسماء۲:۶۴۵،روایت:۱۱۴۹]

''ابوعبدالرحمٰن [امام نسائی، وفات:۳۰۳ھ] فرماتے ہیں: یہ روایت منکر بلکہ باطل جیسی ہے۔''

امام ابوجعفر محمد بن عمرو عقیلی مکی (۱) لکھتے ہیں: لَایُتابَعُ علی حدیثه، ولا یُعرَفُ إلّا به وقد رُوِيَ بغیر هذاالإسناد بإسناد أصلح من هذا، و بخلاف هذااللفظ.

[الضعفاء الکبیر۴:۲۴۷-۲۴۸]

''اس [مسروح ابوشہاب] کی حدیث کا کوئی شاہد و تابع نہیں ہوتا وہ صرف اِس ایک روایت سے معروف ہے۔ یہ مضمون اِس اِسناد سے زیادہ صالح سند سے مروی ہے جس کے الفاظ بھی اس سے مختلف ہیں (۲)۔''

امام ابن ابی حاتم کہتے ہیں: اس کا راوی مسروح ابوشہاب ساکن مدینہ ہے اور سفیان ثوری (۳) سے روایت کرتا ہے۔ میں نے اپنے والد [امام ابوحاتم] سے اُس کی حدیث

......کو مکۃ المکرمۃ اور مدینہ منورہ کے درمیان سفرِ حج کے دوران وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ۲:۵۹۷، ترجمہ:۶۰۷، الاعلام۵:۳۰۸]

(۱) محمد بن عمرو عقیلی مکی ابوجعفر، حافظ حدیث تھے۔ کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ حرمین شریفین میں اِقامت تھی۔ ۳۲۲ھ=۹۳۴ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ۳:۸۳۳، الاعلام۶:۳۱۹]

(۲) حافظ عقیلی کا اشارہ سیدنا براء بن عازِب ﷛ کی اُس حدیث کی طرف ہے جس میں مذکور ہے کہ:

کان النبي ﷺ یصلي فجاءَ الحسن و الحسین -أو أحدهما- فرکب علی ظهره فکان إذا سجدَ رَفَعَ رَأسَهٗ قال بیده فأمسکه -أو أمسکهما- ثم قال: نِعْمَ الْمَطِیَّةُ مَطِیَّتُکُمَا.

[المُعجَم الأوسط۳:۹۹، حدیث:۳۹۸۷]

نبی اکرم ﷺ ایک بار نماز پڑھ رہے تھے کہ حسنین رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور اُن کی پیٹھ پر سوار ہوئے۔ آپ جب سجدہ میں جانے کے بعد سر اُٹھاتے تو انہیں پکڑتے پھر فرمایا: تمہاری سواری بڑی اچھی سواری ہے۔''

(۳) سفیان بن سعید بن مسروق ثوری، ابوعبداللہ۔ کوفہ میں ۹۷ھ=۷۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ بصرہ میں ۱۶۱ھ=۷۷۸ء کو وفات پائی۔ مضر کے مشہور قبیلہ عبد مناۃ کی شاخ بنی ثور سے......

کے بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے فرمایا: لا أعرفه، وقال: يحتاج أن يتوبَ إلى الله عز وجل من حديثٍ باطلٍ رواه عن الثوري. [الجرح والتعدیل ۸: ۴۲۴، ترجمہ: ۱۹۳۰]

''میں اُسے نہیں پہچانتا اور فرمایا کہ ضرورت اِس بات کی ہے کہ اس کی اُس باطل روایت سے توبہ کی جائے جو اُس نے ثوری سے نقل کی ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: والحديثُ الذي أشار إليه أبو حاتم الحديثُ الذي أورده له العقيلي وقال: لا يُتابع عليه، لا يُعرفُ إلّا به، وهو ما رواه عن الثوري عن أبي الزبير عن جابر قال: دخلتُ على النبي ﷺ و هو يمشي على أربع، والحسنُ و الحسينُ على ظهره و هو يقولُ: نِعمَ الجملُ جملكما و نِعمَ العِدلان أنتما.

[لسان المیزان ۶: ۲۱، ترجمہ: ۷۸]

''جس حدیث کی طرف امام ابو حاتم نے اشارہ کیا ہے، وہی ہے جسے عقیلی نے روایت کر کے لکھا ہے کہ اس [مسروح ابو شہاب] کی حدیث کا کوئی شاہد و تابع نہیں ہوتا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں داخل ہوا۔ آپ چار پیروں پر جا رہے تھے اور حسنین رضی اللہ عنہما آپ کی پیٹھ پر سوار ہیں اور آپ فرماتے ہیں: تمہارے دونوں کا اونٹ بہترین اونٹ ہے اور تم دونوں بہترین سوار ہو۔''

زیرِ بحث روایت کا متن اس لیے منکر ہے کہ چار ٹانگوں سے چلنا پھرنا جانوروں کی صفت ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ. [سورۃ النور ۲۴: ۴۵]

''اور اِن میں سے بعض چار پیروں پر چلتے ہیں۔''
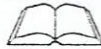
...... تعلق تھا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔ علوم دینیہ اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ منصور نے انہیں قضاء کا عہدہ پیش کیا تھا مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔

[وفیات الاعیان ۲: ۳۸۶، الاعلام ۳: ۱۰۴]

دنیا کی پیدائش سے ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰسٓ کی تلاوت فرمائی

طارق جمیل صاحب کہتے ہیں کہ دنیا اور زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سورۃ یاسین کی تلاوت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش تو ہو رہی ہے آج سے ۱۴۲۵ سال پہلے۔ نہ زمین تھی، نہ آسمان تھا۔ نہ عرش تھی، نہ فرش تھا۔ نہ فلک تھا، نہ چاند تھا۔ نہ سورج تھا، نہ تارے تھے۔ صرف اللہ تھا، اللہ! جب زمین و آسمان نہیں تھا تو آدم کہاں سے آئیں گے؟ عرب کہاں سے آئیں گے؟ بنو ہاشم کہاں سے آئیں گے؟ عبداللہ کہاں سے آئیں گے؟ آمنہ کہاں سے آئیں گی؟ ابھی تو کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ دھرتی، نہ آسمان۔ نہ یہ، نہ وہ۔ نہ شرق، نہ غرب۔ نہ شمال، نہ جنوب۔ اللہ! اللہ! اپنی ذات میں اللہ! زمین و آسمان کی پیدائش سے ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے تلاوت کی:

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ [سورۃ یٰس ۳۶:۱-۳]

مجھے قسم ہے! مجھے قسم ہے، قرآن حکیم کی، اے میرے محبوب! تو میرا رسول ہے۔ کاف، اِنَّکَ، اِنَّکَ کاف کا لفظ بولا جاتا ہے جب اگلا سامنے بیٹھا ہو۔ ''تو''، ''تو'' کا مطلب ہے: کسی سامنے والے سے بات ہو رہی ہے۔ ''ہ''، ''ہ'' کا مطلب ہے: کسی غائب کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔ اِنَّکَ: اے میرے محبوب! اے میرے محبوب! تو۔

طارق جمیل صاحب بزعم خویش یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ زمین پر اپنی پیدائش سے ہزار سال پہلے پیدا ہوئے تھے مگر وائے ناکامی! اس کے لیے اُنہوں نے جو روایت پیش کی ہے وہ اِس لائق نہیں کہ اُس پر کسی عقیدے کی بنیاد رکھی جائے۔ آیئے، وہ

روایت پڑھ لیں۔

ابو سہل احمد بن محمد بن ابراہیم مہرانی' وابونصر بن قتادۃ' از محمد بن اسحاق بن ایوب صبغی' از حسن بن علی بن زیاد السری' از ابراہیم بن منذر الحزامی' از ابراہیم بن مہاجر بن مسمار' از عمر بن حفص بن ذکوان' از مولی الحرقۃ' از سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعاً:

إنَّ اللّٰه قرأَ طه ویٰسٓ قبل أن یخلق آدم بألف عامٍ فلما سمع الملائکۃُ القرآنَ قالوا: طوبَی لأمۃٍ ینزل ھذا علیھا وطوبَی لجوفٍ یحملُ ھذا و طوبَی لألسن تَکَلَّمَ بھذا. [الاسماء والصفات' بیہقی ۲:۶۱۳-' حدیث:۷۹۴' اصول السنۃ' ابن زمنین' حدیث:۲۹' اصول السنۃ' لالکائی' حدیث:۳۶۹' سنن الدارمی ۲:۵۴۷-۵۴۸' حدیث:۳۴۱۴' المعجم الأوسط ۳:۳۷۵ حدیث:۴۸۷۶]

''اللہ تعالیٰ نے [سیدنا] آدم [علیہ السلام] کی پیدائش سے ہزار سال پہلے سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یٰسین پڑھے۔ ملائکہ نے جب قرآن مجید کو سنا تو کہنے لگے: بڑی خوشی ہے اُس امت کے لیے جس پر یہ سورتیں نازل ہوں گی، اس دل کے لیے بڑی خوشی ہے جو [اسے یاد کر کے] اس کا حامل ہو اور بڑی سعادت ہے اُن زبانوں کے لیے جن پر یہ [سورتیں] جاری و ساری ہوں۔''

اس روایت کی شدید ضعیف ہے' اس لیے کہ:

-اس کا ایک راوی ابراہیم بن مہاجر بن مسمار مدینی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں: منکر الحدیث ہے (۱)۔ [التاریخ الکبیر ۱:۳۲۸' ترجمہ:۱۰۳۳' الضعفاء الکبیر ۱:۶۶]

امام عقیلی نے زیر بحث روایت اس کے منکر روایات کے لیے مثال کے طور پر پیش کی ہے۔ [الضعفاء الکبیر ۱:۲۲۵' ترجمہ:۶۷' حدیث:۲/۲۶۳]

---

(۱) مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ کا مطلب امام بخاری کے نزدیک کیا ہے؟ آپ لکھتے ہیں کہ: ھؤلاء الذین قیل فیھم منکر الحدیث لستُ أری الروایۃ عنھم. [التاریخ الاوسط ۲:۱۰۷]

''جن راویوں کے بارے میں منکر الحدیث کہا جاتا ہے میں اُن سے روایت لینا جائز نہیں سمجھتا۔''

علامہ محمد بن طاہر مقدسی (۱) لکھتے ہیں: اس میں ابراہیم بن مہاجر مدنی ہے جو کذاب ہے۔

[معرفۃ التذکرۃ فی الاحادیث الموضوعۃ: ۱۰۸، روایت: ۱۶۴]

— اس کا ایک راوی عمر بن حفص بن ذکوان ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: ہم نے اُس کی حدیث کو چھوڑ دیا ہے اور ہم نے اُس کی روایات کو جلا کر اُن سے جان چڑائی ہے جب کہ امام نسائی فرماتے ہیں: متروک ہے۔ [لسان المیزان ۴: ۲۹۸، ترجمہ: ۸۳۲]

امام ابن حبان اور حافظ ذہبی لکھتے ہیں: یہ متن موضوع ہے۔

[المجروحین ا: ۱۰۵، بذیل ترجمہ: ۱۸، میزان الاعتدال ا: ۶۷، بذیل ترجمہ: ۲۲۴]

---

(۱) محمد بن طاہر بن علی بن احمد مقدسی شیبانی ابوالفضل۔ ۴۴۸ھ = ۱۰۵۶ء کو بیت المقدس میں پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث اور مؤرخ تھے۔ داوودیُ المذہب تھے۔ کئی کتابیں لکھیں۔ ۵۰۷ھ = ۱۱۱۳ء کو بغداد میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۴: ۲۸۷، الاعلام ۶: ۱۷۱]

رسول اللہ ﷺ کا سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ[(۱)] کے لیے اُن کے فرزند کی وفات پر تعزیت نامہ

کہا جاتا ہے کہ جب سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کے والی تھے اور وہاں اُن کا فرزند فوت ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کے نام ذیل کا تعزیت نامہ لکھوا کر اِرسال کیا تھا:

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ!

سَلَامٌ عَلَيْكَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ. أَمَّا بَعْدُ: فَأَعْظَمَ اللّٰهُ أَجْرَكَ؛ وَ أَلْهَمَكَ الصَّبْرَ؛ وَ رَزَقَنَا وَ إِيَّاكَ الشُّكْرَ؛ فَإِنَّ أَنْفُسَنَا وَ أَمْوَالَنَا وَ أَوْلَادَنَا مِنْ مَّوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيَّةِ؛ وَ عَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ؛ مَتَّعَكَ بِهٖ فِيْ غِبْطَةٍ وَّ سُرُوْرٍ، وَ قَبَضَهٗ مِنْكَ بِأَجْرٍ كَثِيْرٍ؛ الصَّلَاةُ وَ الرَّحْمَةُ وَ الْهُدٰى؛ فَاصْبِرْ وَ لَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ أَجْرَكَ فَتَنْدَمَ؛ وَ اعْلَمْ أَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا؛ وَ لَا يَدْفَعُ حُزْنًا؛ وَ مَا هُوَ نَازِلٌ بِكَ كَأَنَّ قَدْ. وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ.

[معجم ابن الاعرابی ۲: ۴۸۶-۴۸۸، حدیث: ۹۴۶، المعجم الأوسط ۱: ۳۷، حدیث: ۸۳، مستدرک حاکم ۳: ۲۷۳، حلیۃ الاولیاء ۱: ۲۴۳، تاریخ مدینۃ دمشق ۵۸: ۴۴۹]

''محمد رسول اللہ [ﷺ] کی طرف سے معاذ بن جبل [رضی اللہ عنہ] کی طرف۔ سلامٌ علیك! میں

---

(۱) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بن عمرو بن اوس، انصاری، خزرجی ابو عبدالرحمٰن، ۲۰ ق ھ = ۶۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ حلال و حرام کے بہت بڑے عالم اور عہد نبوی ﷺ کے چھ حفاظ کرام میں سے تھے۔ غزوہ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں معلم کی حیثیت سے یمن بھیجا تھا۔ مرویات کی تعداد ۱۵۷ ہے۔ ۱۸ھ = ۶۳۹ء کو وفات پائی۔ [اسد الغابۃ: ۱۱۳۹، ترجمہ: ۴۹۶۲، الاعلام ۷: ۲۵۸]

تمہیں اُس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ أَمَّا بَعْد! اللہ تعالیٰ تمہیں اجرِ عظیم سے نوازے۔ تمہیں صبر کا اِلہام کرے۔ ہمیں اور تمہیں شکر کے جذبے سے سرشار کرے۔ ہماری نفوس‘ ہمارے مال اور ہماری اولاد اللہ تعالیٰ کی خوش کن انعامات اور اُس کی رکھی ہوئی امانات میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے نواز کر تمہاری خوشی کا انتظام کیا اور اسے اجرِ کثیر کے عوض تجھ سے واپس لے لیا‘ یہ اُس کی طرف سے رحمت وہدایت ہے۔ صبر و برداشت سے کام لو۔ جزع وفزع سے خود کو بچائے رکھو۔ کہیں یہ تمہاری اجر کو اَکارت نہ کرے‘ پھر تجھے پشیمانی اُٹھانی پڑے گی اور خوب سمجھ لو کہ جزع وفزع سے مردہ لوٹ کر واپس نہیں آسکتا اور یہ حزن وملال کو بھی کم نہیں کرتا اور جو کچھ تجھ پر آنے والا ہے اُسے آیا ہوا سمجھو۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔“

اس روایت کی سند کچھ اس طرح ہے: مجاشع بن عمرو‘ از لیث بن سعد‘ از عاصم بن عمر بن قتادہ‘ از محمود بن لبید از سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔

[معجم ابن الاعرابی ۲: ۴۸۶-۴۸۸‘ حدیث: ۹۴۶‘ المعجم الأوسط ۱: ۳۷‘ حدیث: ۸۳‘ مستدرک حاکم ۳: ۲۷۳‘ حلیۃ الاولیاء ۱: ۲۴۳‘ تاریخ مدینۃ دمشق ۵۸: ۴۴۹]

یہ روایت موضوع ہے اس لیے کہ اس کا راوی مجاشع بن عمرو بن حسان اسدی ہے جو ثقہ راویانِ حدیث پر احادیث وضع کیا کرتا تھا اور ثقہ راویوں کے نام سے موضوعات نقل کرتا تھا کتابوں میں اس کا ذکر قدح اور اس کی برائی کیے بغیر جائز نہیں۔

[المجروحین ۲: ۳۵۲‘ ترجمہ: ۱۰۴۷]

امام ابوحاتم رازی کہتے ہیں: متروک الحدیث ہے۔ [الجرح والتعدیل ۸: ۳۹۰‘ ترجمہ: ۱۷۸۵] حافظ عقیلی لکھتے ہیں: اس کی حدیث منکر اور غیر محفوظ ہوتی ہے اور امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں: میں نے اُس سے ملاقات کی ہے۔ کذابین میں سے تھا۔

[الضعفاء الکبیر ۴: ۲۶۴‘ ترجمہ: ۱۸۶۸]

امام حاکم نے اسے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ غریب اور حسن ہے البتہ مجاشع بن عمرو اِس کتاب کی شرط کے مطابق نہیں۔ [مستدرک ۳:۳: ۲۷۳]

اس پر اِستدراک کرتے ہوئے حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ذَا مِنْ وَضْعِ مُجَاشِع.
[تلخیص المستدرک ۳:۳: ۲۷۳]

''یہ مجاشع کی وضع کردہ ہے۔''

-۲: اس روایت کی ایک سند یہ ہے: محمد بن بشر بغدادی' از اسحاق بن نَجِيح مَلَطِي' از عطاء از سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ [تاریخ بغداد ۲: ۸۹' بذیل ترجمہ: ۴۷۶]

یہ بھی موضوع ہی ہے اس لیے کہ اس کی سند میں اسحاق بن نجیح ملطی ہے' جس کے بارے میں امام ابوحاتم فرماتے ہیں: سب جھوٹوں سے بڑھ کر جھوٹا تھا۔
[الجرح والتعدیل ۲: ۲۳۳]

امام یحییٰ بن معین سے اسی راوی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ضعیف تھا۔ اللہ اس پر رحم نہ کرے۔ [التاریخ ۲: ۲۷' ۴: ۴۳۴]

امام احمد بن حنبل (۱) اسے مِنْ أَكْذَبِ النَّاسِ کہتے ہیں۔
[العلل ومعرفۃ الرجال ۲: ۳۰' نص: ۱۴۵۴]

اور امام ابن حبان فرماتے ہیں: دجالوں میں سے تھا۔ ظاہر باہر رسول اللہ ﷺ پر احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ [المجروحین ۱: ۱۴۴' ترجمہ: ۵۸]

---

(۱) احمد بن محمد' ابوعبداللہ' شیبانی' ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ ان کا تعلق مرو سے تھا۔ ان کے والد سرخس کے گورنر تھے۔ ۱۶۴ھ = ۷۸۰ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے حصولِ علم میں لگے رہے اور اس سلسلہ میں سفر کی صعوبتیں برداشت کیں' ان کے زمانے میں مامون الرشید نے ''خلق قرآن'' کا فتنہ اٹھایا۔ امام موصوف نے اس فتنہ کی خوب سرکوبی کی اور اس سلسلے میں انہیں ناقابلِ برداشت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ صبر واستقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ ۲۸ مہینے جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ ۲۴۱ھ = ۸۵۵ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۴: ۴۱۲-۴۲۳' الاعلام ۱: ۲۰۳]

حافظ ابن عدی لکھتے ہیں: جھوٹ بولنے اور احادیث وضع کرنے میں معروف ومشہور ہے۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال ۱: ۵۳۵، ترجمہ: ۱۵۵]

۳- اور اس کی ایک سند یہ ہے: محمد بن سعید از عُبادۃ بن نُسَیّ از عبدالرحمٰن بن غنم، از سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔ [حلیۃ الاولیاء ۱: ۲۴۲-۲۴۳، تاریخ مدینۃ دمشق ۵۸: ۴۴۸]

حافظ ابونعیم اس روایت کے طرق کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وَكُلُّ هٰذِهِ الرِّوَايَاتِ ضَعِيفَةٌ، لَاتُثْبَتُ، فَإِنَّ وَفَاةَابْنِ مُعَاذٍ كَانَتْ بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ بِسِنِيْنَ، وَ إِنَّمَا كَتَبَ إِلَيْهِ بَعْضُ الصَّحَابَةِ فَوَهِمَ الرَّاوِي فَنَسَبَهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ .... وَلَيْسَ مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيْدٍ وَلَا مُجَاشِعٌ مِمَّنْ يُعْتَمَدُ عَلٰى رِوَايَاتِهِمَاو مَفَارِيْدِهِمَا.

[حلیۃ الاولیاء ۱: ۲۴۳-۲۴۴]

''یہ ساری روایتیں ضعیف ہیں۔ ثابت نہیں اس لیے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کے کئی سال بعد فوت ہو گیا تھا۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ افراد نے تعزیت کے خط لکھے تھے جسے راوی نے وہم کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا۔ محمد بن سعید اور مجاشع ایسے راوی نہیں کہ اُن کی روایات اور تفردات پر اعتماد کیا جائے۔''

یہ روایت ماہ نامہ توحید وسنت، پنج پیر، صوابی، پاکستان کے شمارہ: 9، جلد: 19، صفحہ: ۴۵-۴۶ پر محترم محمد شاہ صاحب، مدیر مدرسہ سیدہ فاطمۃ الزہراء لبنات الاسلامیۃ، نیو مراد پور PK-21360 مانسہرہ کے تعزیتی خط میں اس مقدمہ کے ساتھ درج ہے:

''تعزیت کے طور پر آپ کے لیے میں نے سرورِ عالم ﷺ کا وہ تعزیت نامہ جو آپ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اُن کے بیٹے کی وفات پر لکھا تھا، پیش کرتا ہوں کہ آپ کو اس کے پڑھنے سے صبر وسکون ہو گا۔ ......نامہ مبارک کے بار بار پڑھنے سے اِن شآءاللہ صبر وسکون نصیب ہو گا۔''

سب سے پہلے میرا رب میرا جنازہ پڑھے گا

طارق جمیل صاحب کہتے ہیں کہ: جب رسول اللہ ﷺ کی وفات میں ایک ہفتہ باقی رہ گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آئے، جن میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ آ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے اصحاب کو دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہا: میں تمہیں اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے نبی! یہ تو الوداعی گفتگو لگ رہی ہے۔ لگتا ہے کہ اب آپ ہم سے جدا ہونے والے ہیں۔ آپ ہمیں اپنے کفن، دفن اور غسل کے بارے میں حکم جاری کریں۔ آپ نے فرمایا: مجھے غسل اپنے اہل بیت دیں گے۔ کہا گیا: کفن کون دے گا؟ کہا: اہلِ بیت دیں گے۔ کہا گیا: جنازہ کون پڑھائے گا؟ کہا: جب غسل اور کفن سے فارغ ہو جاؤ تو حجرۂ عائشہ میں سے تم سارے نکل جانا، مجھے اکیلے یہیں پر چھوڑ دینا۔ سب سے پہلے میرا جنازہ اللہ پڑھے گا۔ اس کے بعد جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل اور عرش کے فرشتے مقرب، وہ آئیں گے، پھر ساتوں آسمان کے فرشتے اتریں گے اور میرا جنازہ پڑھیں گے۔ اس کے بعد پھر تم مرد پہلے آنا۔ چارپائی کے ساتھ کھڑے ہو کر میرے لیے دعاء کرنا، پھر جب مرد ختم ہو جائیں تو عورتیں آنا۔ عورتیں ختم ہو جائیں تو بچے آنا، جب بچے ختم ہو جائیں تو پھر نوکر و غلام آئیں گے اور اس کے بعد مجھے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔

یہ ساری کہانی سات صفحات پر مشتمل ہے، جس کی سند یہ ہے: سلیمان بن احمد، از محمد بن احمد بن براء، از عبدالمنعم بن ادریس بن سنان، از والدِ او ادریس بن سنان، از وہب بن منبہ، از سیدنا جابر بن عبداللہ و سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم مرفوعاً۔ [حلیۃ الاولیاء ۴: ۷۳-۷۹]

اس موضوع روایت کے کچھ الفاظ یہ ہیں: فإنَّ أوَّلَ مَن يُّصَلِّي عَلَيَّ الرَّبُّ عز و جل من

فوق عرشه. [حلیۃ الاولیاء ۴: ۷۸]

''اس لیے کہ مجھ پر سب سے پہلے میرا رب تعالیٰ عرش کے اوپر جنازہ پڑھے گا۔''

جب کہ طارق جمیل صاحب اس موضوع روایت سے حجرۂ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (۱) کی فضیلت اس طرح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ اس حجرہ مبارکہ کے اندر تشریف لا چکے ہیں۔ فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ!

معلوم نہیں کہ یہ لوگ جھوٹی روایتیں سنا سنا کر دین اسلام کی کون سی خدمت کے زعم میں مبتلا ہیں؟ یہ لوگ قیامت کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ کس منہ سے ملیں گے کہ ہم نے جھوٹی اور موضوع و من گھڑت روایتیں سنا کر دین اسلام کی خدمت کی ہے؟

یہ روایت موضوع ہے اس لیے کہ اس کا راوی عبدالمنعم بن ادریس بن سنان ہے، جس کے بارے میں امام ابن حبان لکھتے ہیں: يَضَعُ الحديثَ على أبيه وعلى غيره من الثِّقَات، لا يَحِلُّ الإحتجاجُ به ولا الروايةُ عنهُ. [المجروحین ۲: ۱۴۳، ترجمہ: ۷۷۳]

''اپنے والد اور دوسرے ثقہ راویوں پر احادیث گھڑتا ہے۔ اس کی روایت سے احتجاج و استدلال کرنا جائز نہیں اور نہ اس کی حدیث نقل کرنا درست ہے۔''

اس قسم کی ایک روایت امام حاکم نے بھی لکھی ہے، جس کی سند کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ: عبدالملك بن عبدالرحمٰن الذي في هذا الإسنادِ مجهولٌ، لانعرفه بعدالةٍ و لاجرحٍ، و الباقونَ كُلُّهُم ثقاتٌ. [المستدرک ۳: ۶۰]

---

(۱) عائشہ رضی اللہ عنہا بنت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ام المؤمنین، ۹ قبل ہجری = ۶۱۳ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ علم و ادب اور علوم دینیہ میں اپنی مثال آپ تھیں۔ دو ہجری کو رسول اللہ ﷺ سے ان کی شادی ہوگئی۔ اکابر صحابہ آپ سے فرائض [میراث] کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ ۵۸ھ = ۶۷۸ء کو مدینہ منورہ میں وفات پاگئیں۔ آپ سے [۲۲۱۰] احادیث کی روایت کی گئی ہیں۔

[اسد الغابۃ: ۹: ۱۵۴، ترجمہ: ۷۰۹۶، الاعلام ۳: ۲۴۰]

’’اس کی سند میں جو عبدالملک بن عبدالرحمٰن ہے، وہ مجہول ہے۔ ہم اُن کی عدل وجرح کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، جب کہ اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔‘‘

امام حاکم کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ: قُلْتُ: بل كَذَّبَهُ الْفَلَّاس، قال: والباقونَ ثقاتٌ، قلتُ: و هذا شأنُ الموضوع، يكونُ كُلُّ رُواته ثقاةٌ سِوَى واحدٍ، فلو استحيَى الحاكمُ لَمَا أورَدَ مثلَ هذا. [تلخیص المستدرک ۳:۶۰]

’’میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں: نہیں! بلکہ امام فلاس (۱) نے اس راوی کو کذاب کہا ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں: اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں: موضوع کی شان تو یہی ہے کہ ایک کے سوا اُس کے سارے راوی ثقہ ہوتے ہیں۔ اگر حاکم کچھ تھوڑی بہت حیا کرتے تو اس روایت کو نقل نہ کرتے۔‘‘

اس پوری کہانی کو امام بیہقی (۲) نے سلام بن سُلَیم الطّویل کے سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ راوی اس کو نقل کرنے میں متفرد ہے۔ [دلائل النبوۃ ۷:۲۳۱-۲۳۲]

یہ سلسلہ بھی موضوع ہی ہے اس لیے کہ سلام بن سُلَیم الطّویل خراسانی متروک الحدیث تھا۔

[الضعفاء والمتروکین، بخاری، ترجمہ: ۱۵۲، التاریخ الکبیر ۴:۱۳۳، ترجمہ: ۲۲۲۴، الضعفاء والمتروکین، نسائی، ترجمہ: ۲۳۷]

---

(۱) عمرو بن علی بن بحر، ابوحفص السقاء، الفلاس، باحث تھے۔ اہل بصرہ میں سے تھے۔ بغداد میں رہائش تھی۔ ۲۴۹ھ=۸۶۴ء کو سرمن رآی میں وفات پائی۔ بعض اصحاب حدیث انہیں امام علی بن المدینی پر ترجیح دیتے ہیں۔ [تہذیب الکمال ۲۲:۱۶۲-۱۶۵، ترجمہ: ۴۴۱۶، الاعلام ۵:۸۲]

(۲) احمد بن حسین بن علی ابوبکر، ائمہ حدیث میں سے تھے۔ نیشاپور کے کے شہر بیہق کے مضافاتی گاؤں خسروجرد میں ۳۸۴ھ=۹۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ بیہق میں پلے بڑھے۔ حصول علم کے سلسلے میں بغداد، کوفہ اور مکہ معظّمہ کے سفر کیے۔ ۴۵۸ھ=۱۰۶۶ء کو نیشاپور میں وفات پائی۔ اُن کا جسد خاکی بیہق منتقل کیا گیا جہاں اُن کی تدفین ہوئی۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۳:۹:۵۷، الاعلام ۱:۱۱۶]

محدث ابن خراش (۱) کہتے ہیں: کذاب تھا۔

[الضعفاء والمتروکین، ابن جوزی ۲:۶، ترجمہ: ۱۴۵۹]

معلوم ہوا کہ یہ روایت ساری اسانید کے ساتھ موضوع، جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ بغیر کسی حجت و برہان کے کسی روایت اور قول کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرے۔

(۱) عبدالرحمٰن بن یوسف بن سعید بن خراش مروزی بغدادی، حافظ حدیث ناقد حدیث اور بارع تھے۔ حدیث سے نہایت شغف رکھتے تھے لیکن رافضی تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مثالب پر مشتمل روایات جمع کی تھیں۔ رمضان ۲۸۳ھ کو وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۳: ۵۰۸-۵۱۰، ترجمہ: ۲۵۳]

سعید بن مسیّب نے رقص کیا

کہا جاتا ہے کہ سعید بن مسیّب مکہ مکرمہ کی کسی گلی میں سے گزرے تو الاخضر الحداء کو گاتے ہوئے سنا۔ وہ عاص بن وائل کے گھر میں اس طرح گا رہا تھا:

تَضَوَّعَ مِسْكًا بَطْنُ نَعْمَانَ أَنْ مَشَتْ ۔۔۔ بِهِ زَيْنَبُ فِي نِسْوَةٍ عَطِرَاتِ

فَلَمَّا رَأَتْ رَكْبَ النُّمَيْرِيِّ أَعْرَضَتْ ۔۔۔ وَ كُنَّ مِنْ أَنْ يَلْقَيْنَهُ حَذِرَاتِ

''وادئ نعمان میں زینب کے چلنے سے خوش بو پھیل گئی۔ دوسری خوش بودار عورتوں میں جب زینب نے نمیری قافلے کو دیکھا تو اس کی ملاقات سے خوف کی وجہ سے اِعراض کرلیا اور عورتیں چھپ گئیں۔''

اور یہ سننے کے بعد: فضربَ برجلهِ الأرضَ زمانًا وقال: هذا ما يلذُّ سماعه.

[تخریج الاربعین السلمیۃ: ۱۴۷، حدیث: ۴۰، تلبیس ابلیس: ۲۵۸-۲۵۹]

''تو آپ نے کچھ دیر تک اپنا پیر زمین پر مارا اور کہا کہ اس کا سننا لطف ہے۔''

کہا جاتا ہے کہ یہ اشعار سعید بن مسیّب کے ہیں!

حافظ ابن الجوزی نے یہ پورا قصہ لکھنے کے بعد لکھا ہے: هذَا إسنادٌ مقطوعٌ مُظْلَمٌ لَا يَصِحُّ عن ابن المسيب، ولَا هذا شعره، و كان ابن المسيب أوقر من هذا.

[تلبیس ابلیس: ۲۵۹]

''اس کی سند منقطع اور تاریک ہے۔ یہ کسی صحیح سند کے ساتھ سعید بن المسیب سے ثابت نہیں اور نہ یہ اُن کے اشعار ہیں۔ ایسی باتوں سے اُن کی شان بہت بلند ہے۔''

سیدنا آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے کس نے سجدہ کیا؟

ابوالشیخ اصبہانی [(۱)] لکھتے ہیں کہ:

ہمیں محمد بن احمد بن معدان نے، انہیں ابوعمیر نے، انہیں ضمرۃ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ: أنَّ أوَّلَ مَنْ سَجَدَ لآدَمَ علیہ السلام إسرافیلُ علیہ السلام فأثابه الله تعالى أن كتب القرآن في جبهته. [کتاب العظمۃ ۵:۱۵۶۲، نص: ۱۰۳۰-۲۹، مرآۃ الزمان ۱:۲۱۶]

''سیدنا آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے سیدنا اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا جس کے عوض اللہ تعالیٰ نے اُس کی پیشانی پر قرآن مجید لکھ دیا۔''

قرآن مجید سے اتنی بات ثابت ہے کہ: فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ.

[سورۃ الحجر ۱۵:۳۰]

''تب سجدہ کیا اُن فرشتوں نے سارے اکٹھے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جتنے بھی ملائکہ ہیں، سارے سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف جھک گئے اور اُنہیں سجدہ کیا۔ اس میں یہ نہیں بتایا کہ صرف آسمان کے ملائک اُن کے سامنے سربسجود ہو گئے اور نہ یہ بتایا کہ کس نے سب سے پہلے سجدہ کیا اس لیے یہی اِجمالی

---

(۱) عبداللہ بن محمد بن حبان الاصبہانی ابومحمد/ ابوالشیخ۔ ۲۷۴ھ = ۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث اور رجال حدیث کے بڑے عالم تھے۔ اپنے دادا حبان کی نسبت سے حِبّانی کہلاتے ہیں۔ حصول علم کے لیے موصل، حران، حجاز مقدس اور عراق کے سفر کیے ۳۶۹ھ = ۹۷۹ء کو وفات پائی۔

[العبر ۲:۱۳۲، الاعلام ۴:۱۲۰]

ایمان واِذعان کافی ہے کہ سارے ملائکہ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کیا تھا۔ حافظ ابن تیمیہ سے ایک بار پوچھا گیا کہ کیا زمین کے ملائکہ بھی اُن کے سامنے سربسجود ہو گئے تھے؟ تو اُنہوں نے یہی زیرِ بحث آیت لکھ کر فرمایا تھا کہ اس میں عموم واِستغراق کے تین صیغے ہیں۔ **پہلا**: اَلْمَـلٰئِکَۃ؛ یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ سارے ملائکہ سربسجود ہو گئے تھے، اس لیے کہ یہ اسم جمع اور معرف بالالف واللام ہے جو عموم کا متقاضی ہے۔

دوسرا: کُلُّھُمْ کا صیغہ ہے جو عموم میں اَبلغ ہے اور **تیسرا**: اَجْمَعُوْنَ کا صیغہ ہے جو عموم کی تاکید کے لیے ہے۔ پھر فرمایا: فَمَنْ قال: إنه لم يسجد له جميع الملائكة' بل ملائكة الأرض فقد رَدَّ القرآن بالكذب و البهتان ' و هذا القول و نحوه ليس مِن أقوال المسلمين و اليهود و النَّصارَى ' و إنما هو من أقوال الملاحدةِ الفلاسفة ' الذين يجعلون الملائكة قُوَى النفسِ الصَّالحةِ ' و الشياطين قُوَى النفسِ الخبيثة ' و يجعلون سجود الملائكة طاعة القُوَى للعقل ' وامتناع الشياطين عصيانُ القُوَى الخبيثة للعقل ' و نحو ذلك من المقالات التي يقولها أصحاب رسائل إخوان الصَّفا و أمثالهم من القرامطة الباطنية و مَن سَلَكَ سبيلهم من ضُلَّالِ المتكلمة و المتعبدة. [مجموع الفتاویٰ ۴:۳۴۶]

''جو شخص یہ کہے کہ سارے ملائکہ نے سجدہ نہیں کیا بلکہ زمین کے ملائکہ نے سجدہ کیا تھا تو اس نے کذب و بہتان کی بنیاد پر قرآن مجید کو جھٹلا دیا۔ سجدہ نہ کرنے کا قول نہ تو مسلمانوں کا ہے اور نہ یہود اور نصاریٰ کا بلکہ یہ اُن ملاحدہ فلاسفہ کا قول ہے جو ملائکہ کو نفسِ صالح کے قُویٰ اور شیاطین کو نفسِ خبیث کے قُویٰ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک سجود ملائکہ سے مراد یہ ہے کہ طاقت کے قُویٰ عقل کے تابع ہو گئیں اور شیطان کا سجدہ سے انکار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خبیث قوتوں نے عقل کی اتباع اور اطاعت سے انکار کر دیا۔ یہ رسائل اِخوان الصفا والوں اور اُن کے طرح دوسرے گمراہ فرقوں جیسے قرمطیوں' باطنیوں اور گمراہ متکلمین اور بے راہ

عابدوں کا قول ہے۔''

رہی پیش کردہ روایت کہ سب سے پہلے سیدنا اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا سو اس کی سند اگر چہ صحیح ہے لیکن:

- قرآن و حدیث میں ایسی کوئی تصریح نہیں جس سے ثابت ہو کہ سب سے پہلے سیدنا اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں توقف ہی مشروع ہوتا ہے نہ کہ خیالی گھوڑے دوڑانا!!

- اس کا آخری راوی ضمرۃ بن ربیعۃ فلسطینی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت پہنچی۔ سوال یہ ہے کہ کن کے ذریعے پہنچی؟ رواۃِ حدیث میں اُن کا طبقہ تبع تابعین میں صغریٰ ہے اس لیے کہ اُن کی وفات رمضان ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ [تہذیب الکمال ۱۳: ۳۲۰]

اس لیے حسب قاعدہ یہ روایت مقطوع ہوئی (۱) جو ضعیف ہوتی ہے۔

(۱) قَطَعَ سے اسم مفعول ہے، جس کے لغوی معنی کٹا ہوا کے ہیں اور اصطلاح میں وہ قول اور فعل ہے جس کی نسبت کسی تابعی کی طرف کی جائے: وهو ما جاء عن التابعين مِن أقوالهم و أفعالهم، موقوفًا عليهم. [ارشاد طلاب الحقائق ۱: ۱٦٦]

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک زندہ شخص جلا ڈالا!

کہا جاتا ہے کہ فُجاءَ ةسُلَمِي :بُجَیْر بن ایاس بن عبداللہ بن عبد یالیل فتنہ ارتداد کے زمانے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اُن سے کہا: میں مسلمان ہوں۔مرتدین کے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہوں لیکن بے بس ولاچار ہوں۔اگر سواری اور اسلحہ کا انتظام ہو سکے تو میں بھی جہاد کے لیے نکلوں۔سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُسے نہیں جانتے تھے مگر اُس کے لیے اسلحہ فراہم کیا۔یہ وہاں سے نکلا تو مسلمانوں اور مرتدین دونوں کو قتل کرنے اور اُن کے مال لوٹنے میں مشغول ہوا۔سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو اُسے واپس طلب کر کے زندہ جلانے کا حکم دیا جس پر عمل درآمد ہوا۔بعد میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نادم ہوئے کہ اگر میں اُسے نہ جلاتا بلکہ قتل کر لیتا تو اچھا ہوتا۔

یہ کہانی کئی لوگوں نے نقل کی ہے، جیسے:

-ابوالحسن بلاذری (۱) از داود بن حبال اسدی، عن أشیاخٍ من قومہ۔

[فتوح البلدان:۱۰۶-۱۰۷]

اس روایت میں امام بلاذری کا استاذ داود بن حبال اسدی ہے جس کا کتب جرح وتعدیل

---

(۱) احمد بن یحییٰ بن جابر بن داود بلاذری۔مؤرخ، جغرافیہ دان، ماہر انساب اور شاعر تھے۔بغداد سے تعلق تھا۔متوکل عباسی کے ہم نشین رہے ہیں۔مامون کی مدح میں کئی نظمیں لکھیں۔فارسی خوب جانتے تھے۔''عہد از شیر'' کو فارسی سے ترجمہ کیا۔عمر کے آخری حصہ میں جنون کا شکار ہوئے۔بیمارستان یعنی ہسپتال میں داخل کیے گئے جہاں ۲۷۹ھ=۸۹۲ء کو وفات پائی۔

[معجم الادباء۵:۸۹-۱۰۲، ترجمہ:۲۶، الاعلام ۱:۲۶۷]

میں کوئی نام ونشان نہیں۔ پھر داود بن حبال اسدی اپنے اساتذہ کا نام نہیں لیتے بلکہ وہ عَنْ أشْيَاخٍ مِّنْ قَوْمِهٖ کہتے ہیں جن کا کچھ اتا پتا اور وثاقت وعدالت معلوم نہیں، ایسی روایت قابلِ استدلال نہیں ہوتی۔

پھر یہ بھی کہ اُن کی قوم کے سردار تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نہیں ہو سکتے، اس لحاظ سے یہ روایت معضل (۱) بھی ہوئی۔

-امام ابن جریر طبری (۲) اور امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

[تاریخ الطبری ۲:۴۹۲، حوادث: ۱۱ھ، الاستیعاب: ۳۹۰، بذیل ترجمہ: ۱۲۹۹]

ان دونوں ائمہ نے اسے سیف بن عمر ضبی اسیدی کی سند سے نقل کیا ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے: واقدی کی طرح تھا۔ جابر جعفی اور دیگر مجہول راویوں سے روایت کرتا ہے۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ایک پیسہ اُس سے بہتر ہے۔ امام ابوداود فرماتے ہیں: کوئی شے نہیں۔ امام ابوحاتم فرماتے ہیں: متروک تھا۔ حافظ ابن حبان کہتے ہیں: زندقہ سے بدنام ہے۔ حافظ ابن عدی فرماتے ہیں: اُس کی عام روایتیں منکر ہوتی ہیں۔ احادیث وضع کرنے سے بدنام تھا۔ [میزان الاعتدال ۲:۲۵۵-۲۵۶، ترجمہ: ۳۶۳۷]

ایسے شخص کی روایت صحیح نہیں بلکہ موضوع ہوتی ہے۔

-امام ابن جریر طبری نے اسے ابن حمید کی سند سے بھی نقل کر کے لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: أُخْرُجْ بِهٖ إِلٰى هٰذَا الْبَقِيْعِ فَحَرِّقْهُ فِيْهِ بِالنَّارِ فَخَرَجَ بِهٖ طُرَيْفَةُ إِلَى

---

(۱) مُعْضَلْ: لغت میں أعضَلَهُ سے اسم مفعول ہے، جس کے معنی: سخت ہونے، مشکل ہونے اور تنگ ہونے کے ہیں۔ اصطلاح میں وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان میں سے دو یا دو سے زیادہ راوی مسلسل حذف ہو گئے ہوں۔ [مقدمۃ ابن الصلاح: ۸۱، نوع: ۱۱]

(۲) محمد بن جریر بن یزید طبری، ابوجعفر، مؤرخ ومفسر اور امام تھے۔ ۲۲۴ھ = ۸۳۹ء کو "آمل طبرستان" میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں سکونت پذیر رہے اور وہیں ۳۱۰ھ = ۹۲۳ء کو وفات پائی۔

[غایۃ النہایۃ ۲:۱۰۶، الاعلام ۶:۶۹]

الْمُصَلّٰی فَأَوْقَدَ لَهٗ نَارًا فَقَذَفَهٗ فِيْهَا. [تاریخ الطبری ۲:۴۹۲-۴۹۳، حوادث:۱۱ھ]

''اسے بقیع لے جاؤ اور وہاں آگ میں جلاؤ۔ سیدنا طُرَیْفَۃَ بن ابان بن سلمۃ بن حاجر رضی اللہ عنہ (۱) اسے مصلّٰی لے گئے۔ آگ جلائی اور اسے اس میں زندہ ڈال دیا۔''

یہ روایت بھی موضوع ہی ہے اس لیے کہ اس کا راوی محمد بن حمید رازی ہے جس کے بارے میں امام جوزجانی فرماتے ہیں: بدمذہب اور غیر ثقہ ہے جس کی بات کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔

[احوال الرجال، ترجمہ:۳۸۲]

محدث اسحاق بن منصور فرماتے ہیں: میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دوں گا کہ محمد بن حمید جھوٹا تھا۔ [تاریخ بغداد ۲:۲۶۳، تہذیب الکمال ۲۵:۱۰۳]

سوال: امام ابن زنجویہ (۲) نے لکھا ہے کہ علوان نے صالح بن کیسان، اُس نے حُمید بن عبدالرحمٰن بن عوف اور اُس نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (۳) کی سند سے بیان کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی مرض الوفاۃ میں فرمایا کہ:

وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ حَرَّقْتُ الْفُجَاءَةَ السُّلَمِيْ ، لَيْتَنِيْ قَتَلْتُهٗ سَرِيْحًا أَوْ خَلَّيْتُهٗ نَجِيْحًا

---

(۱) طُرَیْفَۃَ بن ابان بن سلمۃ بن حاجر رضی اللہ عنہ کا ذکر صحابہ میں کیا جاتا ہے۔

[اسد الغابۃ:۵۸۹، ترجمہ:۲۶۰۶]

اُن کی صحابیت مختلف فیہ معلوم ہو رہی ہے۔ [سراج الإسلام حنیف]

(۲) ابواحمد حمید بن مخلد [زنجویہ] بن قتیبۃ ازدی خراسانی۔ نسا میں سنت کی دعوت چلاتے رہے ہیں۔ حافظ حدیث تھے۔ ۲۵۱ھ = ۸۶۵ء کو وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۲:۵۵۰، ترجمہ:۵۷۰، الاعلام ۲:۲۸۳] (۳)

(۳) عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف بن عبدالحارث ابومحمد الزہری القرشی رضی اللہ عنہ، اکابر صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ ۴۴ ق ھ = ۵۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ سابقین الی الاسلام میں سے ہیں۔ شجاع و بہادر تھے۔ جنگ اُحد میں ۲۱ جگہ زخمی ہوئے۔ مدینہ منورہ میں ۳۲ھ = ۶۵۲ء کو وفات پائی۔

[اسد الغابۃ:۷۷۹، ترجمہ:۳۳۷۱، الاعلام ۳:۳۲۱]

وَلَمْ أُحَرِّقْهُ بِالنَّار. [کتاب الاموال:۱۲۶' روایت:۳۶۴;۱۴۵' روایت:۴۳۰]
''میں چاہتا ہوں کہ میں فجاءۃ سلمی کو نہ جلاتا۔ کاش! میں اُسے آزاد چھوڑ کر قتل کر دیتا یا اُسے آزادی دلاتا اور اُسے آگ سے نہ جلاتا۔''

جواب :اس کا ایک راوی علوان بن داود بجلی ہے' جس کے بارے میں حافظ عقیلی نے لکھا ہے کہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ اور پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ علوان صرف اسی ایک روایت سے معروف ہے' اس کی سند میں اضطراب ہے اور اس کا کوئی تابع اور شاہد بھی نہیں۔ [الضعفاء الکبیر۳:۴۱۹-۴۲۲' ترجمہ:۱۴۶۱]

سوال :امام ابن جریر نے قتادہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارتداد کے زمانہ میں: سَبِيَ وَقَتَلَ وَحَرَّقَ بِالنِّيْرَانِ أُنَاسًا اِرْتَدُّوْا عَنِ الإِسْلَامِ وَمَنَعُوا الزَّكَاةَ.
[تفسیر ابن جریر۴:۶۲۳' نص:۱۲۱۹۰' بذیل تفسیر سورۃ المائدۃ۵:۵۴]
''اُن لوگوں کو قیدی بنایا' قتل کیا اور آگ سے جلایا جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے یا جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔''

جواب :یہ روایت مرسل ہے اور مُرْسَلْ وہ حدیث ہے جس کی سند کا آخری حصہ تابعی کے بعد بیان نہ کیا گیا ہو۔ [النکت علی کتاب ابن الصلاح ۲:۵۴۳-۵۴۴]
ممکن ہے قتادہ نے کسی ثقہ راوی کو حذف کیا ہو' لیکن یہ امکان بھی ہے' کہ حذف کیا ہوا راوی ضعیف ہو۔ مرسل روایات کے بارے میں امام مسلم لکھتے ہیں: وَالْمُرْسَلُ مِنَ الرِّوَايَاتِ فِيْ أَصْلِ قَوْلِنَا وَقَوْلِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالأَخْبَارِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ. [صحیح مسلم' مقدمہ۱:۳۰]
''ہمارے اور روایات کو جاننے والے کے اصل قول میں مرسل روایت حجت نہیں۔''
اس لیے یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے نا قابل استدلال و نا قابل استناد ٹھہری۔
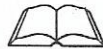
سیدنا ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ (۱) کی اِلہامی دعاء

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے۔ ابھی وہ موجود ہی تھے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آ گئے۔ جبریل علیہ السلام نے انہیں دیکھا تو کہنے لگے: یہ ابوذر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبریل! تم ابوذر کو جانتے ہو؟ وہ بولے ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا۔ یقیناً ابوذر زمین والوں سے زیادہ آسمان والوں میں مشہور و مقبول ہیں اور وہ اس دعا کی وجہ سے جو یہ روزانہ دوبار مانگتے ہیں اس پر فرشتوں کو حیرت ہے آپ ان کو بلا کر دعا کے بارے میں پوچھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوذر! کون سی دعا ہے جو تم روزانہ دوبار مانگتے ہو؟ ابوذر نے عرض کیا کہ جی ہاں! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں' یہ دعاء میں نے کسی انسان سے نہیں سنی بلکہ وہ دس جملے اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام کیے ہیں اور ہر روز میں ان ہی کے ذریعے دعاء مانگتا ہوں پہلے قبلہ رو ہو کر تھوڑی دیر تسبیح کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللہ پڑھتا ہوں پھر تھوڑی دیر اَلْـحَـمْدُ لِلّٰهِ پڑھتا ہوں پھر تھوڑی دیر تکبیر پڑھتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں:

أللّٰهم إني أسألك إيمانادائمًا' وأسألك قلبًا خاشعًا' وأسألك علمًا نافعًا' وأسألك يـقينًا صادقًا' وأسألك دينًا قيمًا' وأسألك العافيةمِن كُلِّ بَلِيَّةٍ وأسألك تمام العافية'

---

(۱) جندب بن جنادۃ بن سفیان بن عبید ابوذر رضی اللہ عنہ' بنو غفار [کنانہ بن خزیمہ] سے تعلق تھا۔ قدیم الاسلام اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ چوتھے یا پانچویں نمبر پر اسلام قبول کیا۔ صدق و سچائی میں اپنی مثال آپ تھے۔ اسلام میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں السلام علیکم کہنے والے آپ ہیں۔ ۳۲ھ = ۶۵۲ء کو وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۱:۱۷' الاعلام ۲:۱۴۰]

وأسألك الشكر على العافية‘ وأسألك الغِنَى عن الناس. جبریل امین نے یہ سن کر کہا: اے اللہ کے پیغمبر! قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا۔ آپ کی امت کا کوئی شخص بھی یہ دعا مانگے تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ گناہ سمندر کی جھاگ اور زمین کی ریت سے زیادہ ہوں۔ آپ کے کسی بھی امتی کے سینے میں یہ دعاء ہوگی جنت اُس کی مشاق ہوگی اور دو فرشتے اس کے لیے مغفرت مانگتے رہیں گے اور جنت کے دروازے اس کے لیے کھول دیے جائیں گے۔ فرشتے اعلان کریں گے: اللہ کے دوست جس دروازے سے چاہوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ [نوادرالاصول ۵:۲۳‘ اصل:۲۱۸]

حکیم ترمذی (۱) نے اس کہانی کو اسی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے: ثنا عمرُ بنُ أبي عمرَ‘ قال: ثنا أبو همام الدَّلال‘ عن إبراهيم بن طُهمان عن عاصم بن أبي النُّجُود عن زِرّ بن حبيش عن علي بن أبي طالب.

[نوادرالاصول ۵:۲۳‘ کنز العمال ۲:۶۷۸-۶۷۹‘ حدیث:۵۰۵۵]

کنز العمال میں ”عمر بن ابی عمر عبدی بلخی“ کے بجائے ”عمرو بن ابی عمرو“ لکھا ہے جو نادرست ہے۔ ہم نے نام کی تصحیح خطیب بغدادی کی کتاب الْمُتَّفَق والمُفْتَرَق :۱۶۱۱‘ ترجمہ:۹۵۹[۵] سے کی ہے جہاں انہوں نے اس امر کی تصدیق کر دی ہے کہ حکیم ترمذی کے استاذ کا نام ابو حفص عمر بن ابی عمر ریاح عبدی بلخی ہے۔ جس کے بارے میں امام بخاری لکھتے ہیں: عمرو بن علی کہتے ہیں: دجال ہے۔

[التاریخ الکبیر ۶:۱۵۶‘ ترجمہ:۲۰۰۹‘ الکامل فی ضعفاء الرجال ۶:۱۰۴‘ ترجمہ:۱۲۲۲/۲۵۵]

---

(۱) محمد بن علی بن حسن بن بشر ابو عبداللہ حکیم ترمذی‘ باحث‘ صوفی‘ حدیث اور اصول الدین کے عالم تھے ترمذ کے رہائشی تھے۔ گاؤں والوں نے کسی مسئلہ میں اختلاف کے باعث انہیں کافر کہا‘ یہ وہاں سے نکل کر بلخ چلے گئے جہاں انہیں قبولیت حاصل ہوئی۔ ۳۲۰ھ=۹۳۲ء کے لگ بھگ وفات پائی۔

[طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲:۲۴۵‘ ترجمہ:۵۹‘ الاعلام ۶:۲۷۲]

امام ابن حبان لکھتے ہیں: اَثبات [پکے ثقہ راویوں] کی سند سے موضوعات نقل کرتا ہے اس کی روایت کا لکھنا حلال نہیں بلکہ از راہِ تعجب ![المجروحین ۲: ۵۷، ترجمہ: ۶۳۶]

امام حاکم کبیر (۱) لکھتے ہیں: ذاہب الحدیث تھا۔ [الاسامی والکنیٰ ۳: ۵۱، ترجمہ: ۱۳۰۲]

حافظ ابن عدی لکھتے ہیں: ابن طاوس سے باطل روایات نقل کرتا ہے۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال ۶: ۱۰۶، ترجمہ: ۱۲۲۲/۲۵۵]

حافظ ابن قیم نے حکیم ترمذی کے بارے میں لکھا ہے: محمد بن علي الترمذي الحكيم لم يكن من أهل الحديث، ولا علم له بطرقه و صناعته، وإنما كان فيه الكلام على إشارات الصوفيةو الطرائق و دعوى الكشف على الأمور الغامضةِو الحقائقِ، حتى خرج في الكلام على ذلك عن قاعدة الفقهاء و الصُّوفية ، و أخرجوهُ بذلك عن السيرةِ المرضيةِ ،وقالوا: أنه أدخَلَ في علم الشريعةمافرق به الجماعةِ فاستوجَب َبذلك القدح والشناعة ، و مَلَأَ كُتُبَهُ بالأحاديث الموضوعةِ ، وحشاها بالأخبار التي ليست بمرويةٍ ولا مسموعةٍ، وعلل فيها خفي الأمور الشرعية لايعقل معناها بعلل ما أضعفها و ماأوهاها. [تحفۃ المودود باحکام المودود ۱۴۱-۱۴۲]

"محمد بن علی حکیم ترمذی حدیث کا علم رکھنے والوں میں سے نہیں تھے۔ علم حدیث کے فن اور حدیث کے طرق سے آشنا نہیں تھے۔ صوفیاء کے اشارات میں مہارت تھی اور امورِ غامضہ اور حقائق کے کشف کا دعویٰ تھا جس کی وجہ سے فقہاء اور عام صوفیاء کے دائرہ سے باہر ہو گئے اور اُنہوں نے بھی اسے اس غیر مرضی عادت کی وجہ سے خود سے باہر نکالا اور کہا کہ حکیم

---

(۱) محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق ابو احمد نیشاپوری کرابیسی، الحاکم الکبیر۔ اپنے زمانے میں خراسان کے محدث تھے۔ ۲۸۵ھ = ۸۹۸ء کو پیدا ہوئے۔ شاش اور طوس میں قاضی رہے ہیں اس لیے الحاکم کہلائے ۳۷۸ھ = ۹۸۸ء کو نیشاپور میں وفات پائی۔ کئی مفید کتابیں لکھیں۔

[تاریخ الاسلام ۸: ۶۸۰، ترجمہ: ۱۳۸۲۹، الاعلام ۷: ۲۰]

ترمذی نے علم شریعت میں ایک ایسی چیز کو داخل کیا جس سے جماعت کا بٹوارہ ہوا اس لیے
برائی اور شناعت کا مستحق ٹھہرا۔ اُس نے اپنی کتابوں کو موضوع احادیث سے بھر دیا ہے اور
اس میں ایسے واقعات واخبار بھر دیے ہیں جن کی روایت اور سماعت موجود نہیں اور ان
کتابوں میں کئی خفی شرعی امور کی ایسی علتیں اور اسباب بیان کیے جو خلاف عقل اور نہایت
ضعیف اور کمزور ہیں۔"

سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ (۱) کا رسول اللہ سے قصاص لینے کا مطالبہ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سورۃ اِذَاجَآءَ نَصۡرُاللّٰہِ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یاجبریل نفسي قد نعیت، فقال جبریل: وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی [سورۃ الضحیٰ ۹۳: ۴-۵] فأمر رسول اللہ ﷺ بلالاً أن ینادی بالصلاۃ جامعۃ، فاجتمع المهاجرون والأنصار إلی مسجد النبي ﷺ فصلی بالناس ثم صعد المنبر، فحمد اللہ وأثنی علیه، ثم خطب خطبة، وجلت منها القلوب، وبکت منها العیون، ثم قال: أیها الناس أيُّ نبي کنت لکم؟ قالوا: جزاك اللہ من نبي خیراً فلقد کنتَ لنا کالأب الرحیم، وکالأخ الناصح المشفق أدیت رسالات اللہ، وأبلغتنا وحیه ودعوتَ إلی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة، فجزاك اللہ عنا أفضل ماجازی نبیاً من أمته. **فقال لهم:** معاشر المسلمین! أنا أنشدکم باللہ وبحقي علیکم مَن کانت له قِبَلِي مَظلمة فلیقم فلیقتص مني قبل القصاص في القیامة، فلم یقم الیه أحد، فنَاشَدَهُم الثانیة، فلم یقم الیه أحدٌ، فناشدهم الثالثة: معاشر المسلمین! من کانت له قِبَلِي مظلمةٌ فلیقم، فلیقتص مني قبل القصاص في القیامة، فقام من بین المسلمین شیخ کبیر یقال له عکاشة،

---

(۱) عُکاشَہ بن مِحصَن بن حُرثان اسدی رضی اللہ عنہ۔ بنو غنم سے ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ سے تعلق تھا رسول اکرم ﷺ کی معیت میں سارے غزوات اور سرایا میں شرکت کی۔ بزاخہ سرزمین نجد میں ۱۲ھ = ۶۳۳ء کو طلیحہ اسدی کے ہاتھوں شہادت پائی۔ [اسد الغابۃ: ۸۶۱، ترجمہ: ۳۷۳۹، الاعلام ۴: ۲۴۴]

فتخطّى المسلمين ، حتى وقف بين يدي النبي ﷺ فقال : فِداك أبي وأمي ، لولا أنك نَـاشَدْتَّنَا مرة بعد أخرى ما كنتُ بالذي أتَقَدَّمُ على شيئ منك. كنتُ معك فـي غـزاة، فلما فتح الله علينا ونصَرنبيه، وكنا في الإنصراف، حاذت ناقتي ناقتك ، فنزلتُ عن الناقة ودنوتُ منك لأقَبِّلَ فخذك، فرفعتَ القَضِيْبَ فضربتَ خاصرتي، فـلاأدري أكـان ذلك عمدًامنك أم أردت ضرب الناقة ؟ فقال رسول الله ﷺ: يا عكاشة أعيذك بجلال الله أن يتعمدك رسول الله ﷺ بالضرب ، يا بلال انطلق مـنزل فاطمة وائتِني بالقضيب الممشوق ، فخرج بلال ؓ من المسجد ويده على أمررأسه ، وهو ينادي : هذا رسول الله ﷺ يعطي القصاص من نفسه، فقرع باب فاطمة رضي الله عنها ، و قال: يا بنت رسول الله ﷺ ناوليني القضيب الممشوق، فقالت: يابلال ومايفعل أبي بالقضيب الممشوق، وليس هذايوم حج ولاغـزاة؟ فقال: يا فاطمة ما أغفلك عما فيه أبوك، إن رسول الله ﷺ يودع الدِّين، ويفارق الدنيا و يعطي القصاص من نفسه ، فقالت : و مَن الذي تطيب نفسه أن يقتص من رسول الله ﷺ؟ يابلال قل للحسن و الحسين يقومان إلى هذا الرجل فيـقتص منهما و لا يَدَعانِه يقتص من النبي ﷺ فدخل بلال المسجد ، ودفع القضيب إلى رسول الله ﷺ فدفع رسول الله ﷺ القضيب إلى عكاشة ، فلمانظر أبوبكروعمرإلى ذلك قامافقالا: عكاشة! هانحن بين يديك فاقتص مناولاتقتص من رسول الله ﷺ فقال لهما النبي ﷺ : امض ياأبابكروأنت ياعمر فامض، فقد عرف الله مكانكما، فقام علي بن أبي طالب فقال: ياعكاشة إنا في الحياة بين يدي رسول الله ﷺ ولا تطيب نفسي أن تضرب رسول الله ﷺ فهذا ظهري و بطني، اقتص مني بيدك، وجلدني مائة جلدة، ولاتقتص من رسول الله ﷺ فقال النبي ﷺ ياعلي! أقعدفقدعرف الله مكانك و نيتك، فقام الحسن والحسين فقالا: عكاشة!

أليس تعلم أنَّا سبطا رسول الله ﷺ ؟ فـالقصاص مِنَّا كالقصاص من رسول الله ﷺ فقال لهما النبي ﷺ : أقعدا يا قرة عيني ' لا نَسى الله لكما هذاالمقام ثم قال رسول الله ﷺ يـاعكاشة!إضرب إن كنت ضارباً'فقال:يارسول الله!ضربتني وأنا حاسرٌ عن بطني ' فكشف النبي ﷺ عـن بطنه ' فلما نظرعكاشة إلى بياض بطن رسول الله ﷺ كأنه القباطي لم يملك أن كبَّ عليه فقبل بطنه و هويقول : فداء لك أبي وأمي'ومن تطيق نفسه أن يقتص منك؟فقال له النبي ﷺ:إماأن تضرب و إماأن تعفو'فقال:قد عفوت عنك رجاءً أن يعفو الله عني في القيامة'فقال النبي ﷺ مَن أرادأن ينظرإلى رفيقي في الجنة فلينظرإلى هذاالشيخ'فقام المسلمو ن فجعلوا يُقَبِّلُون مابين عيني عكاشة ويقولو ن: طوباك'نِلت الدرجات العُلٰى'ومرافقة النبي ﷺ. [المعجم الكبیر ۳:۵۹-۶۵' روایت:۲۶۷۶'حِلیۃ الاولیاء۴:۷۳-۷۴]

''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جبریل علیہ السلام سے فرمایا: آپ نے مجھے میری موت کی اطلاع دی انہوں نے فرمایا:وَلَلاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی Oوَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰیO [سورۃ الضحیٰ ۹۳:۴-۵]

''اور یقیناً آگے آنے والے حالات تمہارے لیے پہلے حالات سے بہتر ہیں اور یقین جانو کہ عن قریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اَلصَّلاۃُ جَامِعَۃٌ کا نعرہ لگائیں۔مہاجرین اور انصار مسجد نبوی میں جمع ہو گئے آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور منبر پر کھڑے ہو کر حمد وثنا کے بعد ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ ساری آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور دل لرز گئے۔پھر آپ نے فرمایا:لوگو! میں تمہارا کس طرح کا نبی ہوں؟ سب نے جزاک اللہ خیراً کہا اور بتایا کہ آپ ہمارے لیے ایک رحیم باپ اور ایک ناصح وشفیق بھائی کی طرح ہیں۔آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُس کی وحی ہم تک پہنچا دیے اور حکمت ونصیحت کے ساتھ اپنے رب کے دین کی

طرف ہمیں دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہتر جزا دے۔ آپ نے اُنہیں فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اگر میں نے کسی پر کوئی ظلم کیا ہو تو اُسے چاہیے کہ قیامت سے پہلے مجھ سے اپنا بدلہ لے۔ کوئی نہ اُٹھا تو آپ نے یہی اعلان دوبارہ اور سہ بارہ فرمایا جس کے بعد مجمع میں سے ایک شخص اٹھا جسے عکاشہ کہا جاتا تھا۔ وہ لوگوں کے کندھوں سے ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر اُن کے سامنے کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ کے بے حد اصرار کے ساتھ فرمانے پر میں مجبوراً عرض کرر رہا ہوں کہ ایک غزوہ پر سفر کے دوران جب ہم واپس آرہے تھے اور آپ کی اونٹنی اور میری اونٹنی اور ایک ساتھ چلنے لگیں تو میں اپنی اونٹنی سے نیچے آکر آپ کے قریب آ گیا تا کہ آپ کی ران چوم لوں تو آپ نے چابک مارا جو میری پشت پر لگا اور اس سے مجھے سخت تکلیف ہوئی تھی۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے ارادۃً مجھے مارا تھا یا آپ اونٹنی کو مار رہے تھے لیکن چابک مجھے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے جلال کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں نے تجھے قصداً نہیں مارا۔ بلال! اُٹھو اور فاطمہ کے پاس جا کر وہ چابک لے آؤ۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ وہاں سے یہ صدا لگاتے ہوئے نکلے کہ رسول اللہ ﷺ قصاص دے رہے ہیں۔ سیدہ کے گھر پہنچے اور اُن سے چابک مانگا۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ نے چابک کس لیے منگوایا ہے، آج تو حج یا کسی غزوہ کا دن نہیں؟ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے انہیں سب ماجرا کہہ سنایا۔ سیدہ یہ سن کر بولیں: وہ کون ہے جو رسول اللہ ﷺ سے قصاص لینا چاہتا ہے؟ بلال! حسن اور حسین سے کہو کہ جلدی جائیں اور رسول اللہ ﷺ کے بجائے وہ قصاص دیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ مسجد پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ کو چابک دیا۔ آپ نے اُسے سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ جب سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا تو وہ آگے بڑھے اور سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے بجائے ہم سے قصاص لو۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا: تمہارے دونوں کا رُتبہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ تم دونوں چلے جاؤ۔ پھر سیدنا

علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ سے مخاطِب ہوکر بولے: ہم زندگی میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہیں گے کہ ہمارے ہوتے ہوئے تم اُن سے قصاص لو۔ یہ میری پیٹھ اور پیٹ حاضر ہیں۔ مجھ سے بے شک سو چابک قصاص لے لو اور اللہ کے رسول ﷺ سے قصاص نہ لو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو تمہاری نیت اور تمہارا رُتبہ معلوم ہے۔ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہوکر کہا: عکاشہ! تمھیں معلوم ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے نواسے ہیں۔ ہم سے قصاص لینا اُن سے قصاص لینا ہے اس لیے ہم حاضر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں نواسوں سے فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک! بیٹھ جاؤ۔ تمہارا یہ مقام ورُتبہ قائم ودائم رہے اور سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو لے لو۔ وہ بولے یارسول اللہ! جس دن مجھے چابک لگا تھا اس دن میں میرے پیٹھ برہنہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیٹھ پر سے کپڑا ہٹادیا تو وہ کتان کی طرح سفید اور نرم تھا۔ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور بے تاب ہوکر آپ کے پیٹ کو چوما اور کہہ رہے تھے: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ کون آپ سے قصاص لے سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے کہا کہ تم یا تو قصاص لو اور یا مجھے معاف کر دو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے آپ کو اِس امید سے معاف کیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مجھے معاف فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جنت میں میرے دوست کو دیکھنا چاہے وہ اِس شیخ کو دیکھیں۔ لوگ اُٹھ کر سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کو چومنے لگے اور کہنے لگے: بہت خوش قسمت ہو، تمہیں بلند درجات اور رسول اللہ ﷺ کی رَفاقت ملی۔

اس کہانی کی سند یہ ہے: سلیمان بن احمد، از محمد بن احمد بن براء، از عبدالمنعم بن ادریس بن سنان، از والدِ او: ادریس بن سنان، از وہب بن منبہ از سیدنا جابر بن عبداللہ وسیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم۔ [حلیۃ الاولیاء ۴: ۷۳]

یہ کہانی موضوع ومن گھڑت ہے چنانچہ حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں: هذا حديث موضوعٌ

محالٌ، كَافَأَ اللّٰهُ مَن وَضَعَهٗ......والمُتَّهَم به عبدالمنعم بن إدريس.

[الموضوعات من الاحادیث المرفوعات ۲:۳۶۶، روایت:۵۵۹]

''یہ روایت موضوع و محال ہے۔ جس نے اسے وضع کیا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے قرارِ واقعی سزا دے۔ محمد بن ادریس اس کے وضع کرنے سے مُتَّہم ہے۔''

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: هذا مِن موضوعاتِ الحِلية. [ترتیب الموضوعات:۸۰، روایت:۲۰۴]

''یہ حِلیۃ الاولیاء کی موضوع روایات میں سے ہے۔''

حافظ سیوطی لکھتے ہیں: موضوعٌ، آفته عبدالمنعم. [اللآلی المصنوعۃ ۱:۲۵۷]

''موضوع ہے اور اس کی آفت عبدالمنعم [بن ادریس] ہے۔''

حافظ عراقی بھی اسے موضوع و من گھڑت کہتے ہیں۔ [تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ۱:۳۳۱]

اس کی وجہ یہ ہے کہ عبدالمنعم بن ادریس ساقط الاعتبار تھا۔ ان کے بارے میں محدثین کی آراء یہ ہیں:

- امام احمد فرماتے ہیں: عبد المنعم بن إدريس يكذبُ على وهب بن منبه.

[تاریخ بغداد ۱۱:۱۳۴، ترجمہ:۵۸۲۵]

''عبدالمنعم بن ادریس، وہب بن منبہ پر جھوٹ بولا کرتا تھا۔''

- امام بخاری فرماتے ہیں: ذاہب الحدیث تھا۔ [التاریخ الکبیر ۶:۱۳۸]

اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس کی روایت نہ لکھی جائے۔

[التاریخ الاوسط ۲:۱۳۳، التاریخ الصغیر ۲:۱۶۶]

- امام ابن حبان لکھتے ہیں: وہب بن منبہ کا نواسا تھا۔ اپنے باپ اور دوسرے راویوں کے نام لے کر موضوعات کی روایت کرتا ہے۔ [المجروحین ۲:۱۴۳، ترجمہ:۷۷۳]

- عبدالمنعم بن ادریس اس کو اپنے والد کی سند سے نقل کرتے ہیں جب کہ امام ابن ابی حاتم نے محدث اسماعیل بن عبدالکریم صنعانی کی زبانی لکھا ہے کہ:

مات أبو عبد المنعم عندنا باليمنِ وعبد المنعم يومئذٍ رَضِيْعٌ.

[الجرح والتعدیل ۶:۶۷ ترجمہ:۳۵۳]

''عبدالمنعم کے والدادریس ہمارے ہاں یمن میں وفات پا گئے جب کہ عبدالمنعم ابھی دودھ پیتے بچے تھے۔''

اس لحاظ سے یہ روایت منقطع بھی ہوئی۔

-حافظ ابن عدی لکھتے ہیں: عبدالمنعم بن ادریس، وہب بن منبہ کی طرح بنی اسرائیل کے واقعات کا راوی ہے۔ کسی مسند روایت سے معروف نہیں۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال ۷:۳۵]

-امام حاکم کبیر لکھتے ہیں: ذاہب الحدیث تھا۔ [کتاب الاسامی والکنیٰ ۵:۳۶۴ ترجمہ:۳۲۷۱]

حافظ ذہبی یہ بھی فرماتے ہیں: واعظ اور ناقابل اعتماد ہے۔ اکثر محدثین کے نزدیک متروک ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: وہب بن منبہ کی سند سے موضوعات نقل کرتا ہے۔

[میزان الاعتدال ۲:۶۶۸]

نیز اس کی سند میں ادریس بن سنان صنعانی بھی ہے جو وہب بن منبہ کا بھانجا تھا۔ اس کے بارے میں امام دارقطنی لکھتے ہیں: متروک تھا۔ [الضعفاء والمتروکین ترجمہ:۳۵۹]

اس روایت میں دو کذاب راوی ہیں اس لیے یہ پوری کہانی موضوع و من گھڑت ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا رکوع کی حالت میں خیرات کرنا

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آیت کریمہ: اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ [سورۃ المائدۃ ۵:۵۵] سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے، وہ یہ کہ ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نماز میں مشغول تھے، جب آپ رضی اللہ عنہ رکوع میں گئے تو کسی سائل نے آ کر سوال کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسی حالت رکوع میں اپنی ایک انگلی سے انگوٹھی نکال کر اُس کی طرف پھینک دی۔ غریب فقیر کی حاجت روائی میں اتنی دیر کرنا بھی پسند نہیں فرمایا کہ نماز سے فارغ ہو کر اُس کی ضرورت پوری کریں، یہ مسابقت فی الخیرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسند آئی اور اِس جملہ کے ذریعہ اُس کی قدر افزائی فرمائی گئی۔

[معارف القرآن ۳:۱۷۸-۱۷۹]

مفتی صاحب (۱) یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں علماء و محدثین کو کلام ہے۔

[معارف القرآن ۳:۱۷۹]

---

(۱) محمد شفیع بن مولانا محمد یاسین، ۱۳۱۴ھ = ۱۸۹۷ء کو دیو بن ضلع سہارنپور [انڈیا] میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور چچا سے حاصل کی۔ ۱۳۳۵ھ کو بیس سال کی عمر میں دار العلوم دیوبند میں علوم کی تکمیل کی۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے باطنی تعلق تھا، بعد ازاں ۱۳۳۷ھ میں مولانا تھانوی سے بیعت ہوئے یہاں تک کہ اُن کے علمی جانشین اور خلیفہ مجاز ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہوئے۔ دار العلوم کی خدمت میں مشغول رہے۔ دار العلوم کورنگی کراچی کی داغ بیل ڈالی۔ ۱۶۲ علمی کتابیں تصنیف کیں۔ دس شوال ۱۳۹۶ھ = ۱۹۷۶ء کو علم و عمل کا یہ سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔

[البلاغ کا مفتی اعظم نمبر: ۹۵، ۳۳۴، شاہ کار اسلامی انسائیکلو پیڈیا ۲:۱۴۴۶]

یہ روایت امام طبرانی (۱) نے معجم اوسط ۴: ۳۵۷، حدیث: ۶۲۳۲ میں نقل کی ہے اور اس کی سند شدید ضعیف اور نا قابل استدلال ہے اس لیے کہ اس کا راوی خالد بن یزید عمری امام ابن معین کی تصریح کے مطابق کذاب تھا۔

[الجرح والتعدیل ۳: ۳۶۰، ترجمہ: ۱۶۳۰، میزان الاعتدال ۱: ۶۴۶، ترجمہ: ۲۴۷۶]

امام ابن حبان لکھتے ہیں: سخت منکر الحدیث ہے، قطعاً اس لائق نہیں کہ اُس کا تذکرہ کیا جائے اس لیے کہ اَثبات سے موضوعات نقل کرتا ہے۔ [المجروحین ۱: ۳۴۶، ترجمہ: ۳۰۵]

۞ اس قسم کی ایک اور روایت واحدی (۲) نے اسباب النزول: ۳۹۷ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سند سے نقل کی ہے مگر وہ بھی موضوع ہے اس لیے کہ:

-۱: اُس کی سند میں محمد بن سائب کلبی ہے جو جھوٹ بولنے اور رفض سے متہم تھا۔

[تقریب التہذیب: ۵۱۰، ترجمہ: ۵۹۰۱]

-۲: اس سند میں محمد بن مروان بن عبداللہ بن اسماعیل المعروف بسدی صغیر بھی ہے جو جھوٹ بولنے سے بدنام تھا۔ [تقریب التہذیب: ۵۳۵، ترجمہ: ۶۲۸۴]

۞ اس قسم کی ایک تیسری روایت امام ابن جریر طبری نے تفسیر ۴: ۶۲۸، نص: ۱۲۲۱۵ میں

---

(۱) سلیمان بن احمد اللخمی الشامی، ابوالقاسم بہت بڑے محدث تھے۔ طبریہ [شام] سے تعلق کی وجہ سے طبرانی کہلائے۔ عکا میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے حجاز مقدس، یمن، مصر، عراق، فارس اور جزیرہ کے سفر کیے۔ ۳۶۰ھ = ۹۷۱ء کو اصبہان میں وفات پائی۔

[تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ۶: ۲۴۰، الاعلام ۳: ۱۲۱]

(۲) علی بن احمد بن محمد بن علی، واحدی نیشاپوری شافعی، نیشاپور میں پیدا ہوئے اور وہیں ۴۶۸ھ = ۱۰۷۶ء کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۸: ۳۳۹، الاعلام ۴: ۲۵۵]

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: والواحدي صاحبه كان أبصر منه بالعربية، لكن هو أبعد عن السلامة واتباع السلف. [مجموع الفتاوی ۱۳: ۱۵۸]

"واحدی، ثعلبی کے خوشہ چین ہیں لیکن ثعلبی کے مقابلہ میں اُن کی عربیت کی مہارت کہیں زیادہ تھی مگر سلامتی مذہب، اور اتباع سلف سے کوسوں دور تھے۔"

سدی ہی سے نقل کی ہے، مگر سدی چونکہ متہم بالکذب ہے اس لیے اس کو شاہد کے طور پر نہیں پیش کیا جا سکتا پھر یہ سدی کا اپنا قول ہے۔ آگے کا سلسلہ مفقود ہے۔ پس اصول حدیث کے لحاظ سے یہ روایت معضل ہوئی جو ضعیف و مردود ہوتی ہے۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اہل علم کا اِس روایت کے موضوع ہونے پر اِجماع ہے۔

[مجموع الفتاوی، مقدمۃ التفسیر ۱۳: ۱۶۰]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: قد تَوَهَّمَ بعضُ الناس أن هذه الجملة في موضع الحال من قوله: ويؤتون الزكوٰة، أي: في حال ركوعهم، ولو كان هذا كذلك لكان دفع الزكوٰة في حال الركوع أفضل من غيره، لأنه ممدوحٌ، وليس الأمر كذلك عند أحد من العلماء ممن نعلمه من أئمة الفتوى. [تفسیر ابن کثیر ۵: ۲۶۴-۲۶۵]

''وَهُمْ رَاكِعُوْن کے بارے میں کچھ لوگ غلطی کا شکار ہو گئے ہیں، اُن کا خیال ہے کہ یہ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكوٰةَ سے حال کی جگہ واقع ہے یعنی: وہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اگر اُن کی بات درست مان لی جائے تو پھر رکوع کی حالت میں زکوٰۃ کی ادائیگی افضل ہو گی اس لیے کہ اس کی مدح کی گئی، حالانکہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس افضلیت کا کوئی عالم قائل نہیں ہے۔''

مولانا امین صاحب اصلاحی (۱) لکھتے ہیں: ''رکوع یہاں اپنے اصطلاحی مفہوم میں نہیں بلکہ اپنے عام لغوی مفہوم میں ہے۔ رَكَعَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں: اِفْتَقَرَ وَانْحَطَّتْ حَالُهُ اس وجہ سے فروتنی، نیازمندی، عاجزی اور دل شکستگی اس لفظ کی اصل روح ہے، نماز میں رکوع درحقیقت آدمی کے دل کی اس حالت کی تعبیر کی ایک عملی شکل ہے۔ اسلام کے دور اول میں

---

(۱) امین احسن اصلاحی، عالم دین، مفسر قرآن، قانون کمیشن کے سابق صدر نشین۔ ۱۹۰۴ء کو ہند کے اعظم گڑھ [U.P] میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کے فاضل ہیں۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ [انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا: ۲۵۳]

منافقین کو نماز بھی پڑھنی پڑتی تھی اور زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوتی تھی، اس کے بغیر اس مبارک عہد میں کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرا ہی نہیں سکتا تھا لیکن سورۃ النساء میں ہے کہ اُن کی نمازیں برباد ہیں۔ قرآن نے اُن کے لیے کُسَالٰی کا لفظ استعمال کیا ہے، اسی طرح اُن کا اِنفاق محض نمائش کے لیے ہوتا تھا۔ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ کی قید نے یہ واضح کیا کہ دین کو جو صلوٰۃ و زکوٰۃ مطلوب ہے وہ دل کی خستگی اور فروتنی کے ساتھ مطلوب ہے۔ ریا، تکبر اور کراہت کے ساتھ نہیں۔" [تدبر قرآن ۲:۵۴۹]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کیسے قبول کیا؟

[۱]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ بعثت نبوی سے کچھ عرصہ بعد:

بَیْنَمَا أنَا نَائمٌ عِنْدَ الِھَتِھِمْ إذْ جَاءَ رَجُلٌ بِعِجْلٍ فَذَبَحَهُ فَصَرَخَ بِهٖ صَارِخٌ لَمْ أسْمَعْ صَارَخاً قَطُّ أشَدُّ صَوْتاً مِّنْهُ ‘یَقُوْلُ: یَا جَلِیْحُ أمْرٌنَجِیْحٌ رَجُلٌ فَصِیْحٌ یَّقُوْلُ لَا إلٰهَ إلَّا اللّٰه فَوَثَبَ الْقَوْمُ‘قُلْتُ:لَاأبْرَحُ حَتّٰی أعْلَمَ مَاوَرَاءَ ھٰذَا‘ ثُمَّ نَادٰی یَاجَلِیْحُ أمْرٌ نَجِیْحٌ رَجُلٌ فَصِیْحٌ یَقُوْلُ لَا اِلٰهَ إلَّا اللّٰه ‘ فَمَا نَشِبْنَا أنْ قِیْلَ ھٰذَا نَبِيٌّ.

[صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار [۶۳] باب اسلام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ [۳۴] حدیث:۳۸۶۶]

’’میں ایک صنم کدہ میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک شخص ایک بچھڑا لے کر آیا اور اسے ذبح کیا اور اس کے ذبح ہوتے ہی ایک چیخنے والی کی آواز آئی: اے جلیح !ایک فصیح البیان شخص کہتا ہے:لَا إلٰهَ إلَّا اللّٰه! یہ آواز سن کر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن میں وہیں کھڑا رہا تا کہ دیکھوں کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے، لیکن پھر وہی آواز آئی: اے جلیح !ایک فصیح البیان شخص کہتا ہے:لَا إلٰهَ إلَّا اللّٰه! اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد یہ مشہور ہوا کہ سیدنا محمد مصطفی ﷺ نبی ہیں۔‘‘

اس غائبانہ آواز نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل ودماغ پر کیا اثر چھوڑا؟ یہ روایت اس سے خاموش ہے۔

[۲]

اس سلسلے میں ایک دوسری روایت بھی خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو اگر چہ ایک تابعی کے زبانی مروی ہے لیکن اس سلسلے میں سب سے زیادہ محفوظ ہے۔فرماتے ہیں: میں ایک شب رسول اللہ ﷺ کو چھیڑنے نکلا۔آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہوئے اور نماز شروع کردی۔جس میں آپ نے سورۃ الحاقۃ تلاوت فرمائی۔ میں کھڑا استنتار رہا اور قرآن مجید کے

نظم و اسلوب میں محو حیرت تھا۔ دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ شاعر ہے۔ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپ نے آیت پڑھی:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝

[سورۃ الحاقۃ ۶۹: ۴۰-۴۱]

''یہ ایک باعزت رسول کالایا ہوا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت ہی کم ایمان لاتے ہو۔''

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے میرے دل کی بات جان گیا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی:

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

[سورۃ الحاقۃ ۶۹: ۴۲-۴۳]

''اور یہ کسی کاہن کا [بھی] کلام نہیں۔ تم بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ یہ خداوندِ عالم کی طرف سے اُتارا ہوا ہے۔''

آپ نے یہ سورۃ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام نے میرے دل میں پوری طرح گھر کرلیا۔ [مسند احمد ۱: ۱۷-۱۸، تفسیر ابن کثیر ۱۴: ۱۲۲، بذیل تفسیر سورۃ الحاقۃ]

[۳]

اس سلسلے میں ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں یہ ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کرسکے تو آخر کا مجبور ہو کر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار گھر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ راہ میں اتفاقاً نُعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ[1] مل گئے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا:

---

(۱) نُعیم بن عبداللہ بن اسید بن عبدعوف بن عَبِید بن عَوِیج بن عدی بن کعب قرشی عدوی رضی اللہ عنہ۔ قدیم الاسلام ہیں۔ اٹھارہ لوگوں کے بعد اسلام قبول کیا۔ بے آسرا، یتیموں اور بیواؤں کا خیال رکھنے کی وجہ سے مشرکین نے انہیں ہجرت کرنے سے روکھا۔ ہجرت کے چھ سال بعد حدیبیہ کے سال خاندان کے......

خیر تو ہے؟ بولے: محمد ﷺ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں' انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمہاری بہن [فاطمہ رضی اللہ عنہا (۱)] اور بہنوئی [سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ (۲)] اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے وہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ اُن کی آہٹ پا کر چھپ ہو گئیں اور قرآن مجید کے اجزاء چھپا لیے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑھ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا: یہ کیسی آواز تھی؟ بولیں: کچھ نہیں! انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو اُن کی بھی خبر لی' یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا لیکن اسلام کی محبت ان کے دل سے نہ نکل سکی۔ بولیں: عمر! جو بن آئے کر لو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے ان کے دل پر خاصا اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا' ان کے جسم سے خون جاری تھا' اسے دیکھ کر اور بھی رقت طاری ہوئی۔ فرمایا: تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سنا دو۔ بہن نے کہا: پہلے نہا لو پھر انہوں نے قرآن مجید کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیے اٹھا کر دیکھا تو سورۃ طٰہٰ تھی جب:

...... چالیس اَفراد کی معیت میں ہجرت کی۔ ۱۳ ہجری کو سیدنا ابوبکر صدیق کے دورِ خلافت میں لڑنے والی جنگ اَجنادین میں شہید ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ۱۵ ہجری کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں غزوۂ یرموک میں شہادت پائی۔ [اسد الغابۃ: ۱۲۰۰' ترجمہ: ۵۲۷۸]

(۱) فاطمہ بنت خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ' قرشیہ' عدویہ رضی اللہ عنہا۔ اپنے بھائی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قبل اسلام قبول کیا۔ سیدنا سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ تاریخ ولادت اور تاریخ وفات معلوم نہیں۔ [اسد الغابۃ: ۱۵۶۳' ترجمہ: ۷۱۸۵' الاعلام ۵: ۱۳۱]

(۲) سعید بن زید بن عمرو بن نفیل عدوی قرشی رضی اللہ عنہ۔ ۲۲ قبل ہجری کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ غزوۂ بدر کے علاوہ سارے غزوات میں شرکت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر کسی اور معرکہ کے لیے بھیجا تھا۔ ۵۱ھ = ۶۵۱ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔
[الاصابۃ ۲: ۴۶' الاعلام ۳: ۹۴]

اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ. [سورۃ طہٰ۲۰:۱۴]

’’بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز کا اہتمام کرو۔‘‘

پر پہنچے تو بے اختیار لا الٰہ الا اللہ پکار اُٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی۔‘‘

[طبقات ابن سعد۳:۲۶۸، سنن دار قطنی :۱۰۴، کتاب الطہارۃ، باب فی نہی المحدث عن مس القرآن، المستدرک۴:۵۹-۶۰، دلائل النبوۃ بیہقی ۲:۲۱۹-۲۲۰]

یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے:

- قاسم بن عثمان بصری از سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

[طبقات ابن سعد۳:۲۶۸، سنن دار قطنی :۱۰۴]

اس کے راوی عثمان بن قاسم بصری کے بارے میں امام دار قطنی نے لکھا ہے:

القاسم بن عثمان ليس بالقوي. [سنن دار قطنی :۱۰۴]

’’[اس کا ایک راوی] قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں۔‘‘

حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حدث بقصة إسلام عمر وهي منكرة جدًّا. [میزان الاعتدال۳:۳۷۵، ترجمہ:۶۸۲۵، لسان المیزان۴:۴۶۳، ترجمہ:۱۴۳۴]

’’قاسم بن عثمان بصری نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا جو قصہ نقل کیا ہے وہ نہایت ہی منکر ہے۔‘‘

حافظ ذہبی نے امام حاکم کی روایت کے بارے میں لکھا ہے:

وهو واهٍ منقطعٌ. [تلخیص المستدرک۴:۶۰]

’’یہ روایت واہی [کم زور] اور منقطع ہے۔‘‘

عقلی لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل غلط ہے اور صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خونی، ظالم اور یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ بھی رکھتے تھے کو ثابت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے

اس کے غلط ہونے کے شواہد یہ ہیں:

[۱] اس روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بہنوئی سیدنا سعید بن زید بن نفیل رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے بے خبر و نا آشنا تھے اور آپ کو سیدنا نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں حالانکہ یہ بات صحیح روایات کے خلاف ہے؛ چنانچہ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی اپنی زبان سے یہ بات منقول ہے:

واللّٰہِ لقدْ رَأیْتُنِي وَإنَّ عُمَرَلَمُوْثِقِي عَلى الإسلام قبْلَ أنْ يُسْلِمَ عُمَرُ.

[صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار [۶۳] باب اسلام سعید بن زید رضی اللہ عنہ [۳۴] حدیث: ۳۸۶۲]

"اللہ کی قسم! میں نے اپنے کو اس حال میں دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے سے قبل مجھے باندھ دیا کرتے تھے۔"

اس صحیح روایت سے غیر مبہم طور پر عیاں ہے کہ وہ اپنے بہنوئی کو اس کے اسلام لانے کے بعد باندھ کر زمین پر ڈال دیا کرتے تھے تا کہ وہ کہیں اور نہ جا سکیں اور کسی دوسرے قریشی کو ایمان کی ترغیب نہ دے سکیں اس لیے وہ انہیں باندھ کر گھر میں بٹھائے رکھتے۔

[۲] اس وقت رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی تاکید تھی کہ اہل ایمان اپنے ایمان مخفی رکھیں چنانچہ جب سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی تاکید فرمائی تھی اور نبی اکرم ﷺ خود بھی چھپ کر دارارقم میں رب واحد کی عبادت کرتے تھے۔ جب حالات یہ تھے تو سیدنا نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہما کے ایمان لانے کے راز کو کیوں فاش کر دیا؟ یہ تو انہوں نے ان دونوں سے معاذ اللہ اپنی کسی دشمنی کا بدلہ لیا ہوگا۔ یہ بات خلاف عقل ہے۔

[۳] سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد زید (۱) جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حقیقی چچا تھے، بعثت نبوی سے

---

(۱) زید بن عمرو بن نُفَیل بن عبد العزیٰ قرشی عدوی، زمانہ جاہلیت میں بہت بڑے حکیم اور عورتوں......

قبل بھی بت پرستی کے سخت مخالف اور توحید خالص کے پرچارک تھے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو ان کے اس نعرۂ توحید پر قریش مکہ نے تکالیف بھی دیں انہی سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے فرزندار جمند سیدنا سعید رضی اللہ عنہ اعلان نبوت کے چند روز بعد ہی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ اتنی جلدی مشرف باسلام ہونے میں ان کی گھریلو زندگی کے بھی اثرات تھے' لہٰذا یہ کہنا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا بعید از عقل اور واقعات کے صریحاً خلاف ہے۔ ان شواہد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دشمنوں نے انہیں سفاک' ظالم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنانے والا ظاہر کرنے کے لیے گھڑے ہیں ورنہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔

مولانا شبلی نعمانی (۱) نے بھی اس واقعے کو مفصل نقل کیا ہے اور سورۃ طٰہٰ کی بجائے سورۃ الحدید کی آیات کا تذکرہ کیا ہے۔ [الفارق ۱:۶۷-۷۷]

اس کے جواب میں علامہ سید سلیمان ندوی (۲) نے لکھا ہے کہ: اس میں شک نہیں کہ:

...... کے حقوق کے علم بردار تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی تھے۔ اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔ بتوں کی عبادت کے منکر تھے اور نذر لغیر اللہ کو حرام سمجھتے تھے۔ صحیح دین کی تلاش میں کافی سفر کیے۔ یہودیت اور نصرانیت نے انہیں کچھ بھی متاثر نہیں کیا۔ مکہ مکرمہ واپس آ کر دین ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے ملاقات کی ہے۔ ۱۷ قبل ہجری = ۶۰۶ء کو وفات پائی۔ [اسد الغابۃ: ۴۳۵'۲ ترجمہ: ۱۸۶۱' الاعلام ۳:۶۰]

(۱) مولانا شبلی نعمانی بن شیخ حبیب اللہ ۱۸۵۷ء کو بھارت کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بندول میں پیدا ہوئے۔ وکالت کا امتحان پاس کیا' مگر اس پیشے میں جی نہ لگا۔ ۱۸۸۲ء میں علی گڑھ میں پروفیسر رکھ لیے گئے جہاں پروفیسر آرنلڈ سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ اُن سے فرانسیسی سیکھی اور اُنہیں عربی سکھائی۔ سر سید احمد خان کی وفات کے بعد دارالمصنفین کی بنیاد رکھی۔ ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو وفات پائی۔ [اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۱:۶۵۰]

(۲) سید سلیمان ندوی بن ابوالحسن حسینی زیدی دسنوی بہاری' صوبہ بہار کے مردم خیز گاؤں دِسنہ ضلع پٹنہ میں ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ = ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ چچا ابو حبیب نقش بندی سے ابتدائی علوم سیکھے۔......

بزار(۱) ، طبرانی، بیہقی اور ابونعیم میں یہ روایت بھی ہے لیکن حد درجہ کمزور ہے، علاوہ ازین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام مکہ کا واقعہ ہے اور سورۃ الحدید مدنی ہے، اس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کیوں کر پڑھ سکتے تھے؟ [سیرۃ النبی ﷺ ۳: ۳۵۱]

اُس زبان زدِ عام وخاص روایت کی حقیقت آپ پر ظاہر ہوگئی جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں مشہور کی گئی ہے۔ اندریں حالات اس مکذوبہ روایت کو بیان کرنا جائز نہیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گفتم
تو خواہ ازیں سخنم پند گیری خواہ ملال

...... ۱۳۱۶ھ کو پھلواری چلے گئے جہاں ایک سال تک مولانا محی الدین مجیبی پھلواری سے علمی استفادہ کیا، پھر دربھنگہ گئے اور مدرسہ امدادیہ میں داخلہ لیا جہاں آپ ایک سال تک رہے۔ ۱۳۱۸ھ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں داخلہ لیا۔ وہاں پانچ سال تک پڑھتے رہے۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ = ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو کراچی میں وفات پائی اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے قریب دفن کیے گئے۔

[نزہۃ الخواطر ۸: ۱۷۷، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۱: ۲۶۶]

(۱) احمد بن عمرو بن عبدالخالق ابوبکر البزار، حافظ حدیث تھے۔ بصرہ سے تعلق تھا۔ آخری عمر میں اصبہان، بغداد اور شام میں درس حدیث دیا کرتے تھے۔ ۲۹۲ھ = ۹۰۵ء کو رملہ میں وفات پائی۔

[تاریخ بغداد ۴: ۳۳۴، الاعلام ۱: ۱۸۹]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شجرۂ رضوان کاٹا؟

امام ابن سعد (۱) لکھتے ہیں: أخبرنا عبدالوهاب بن عطاء أخبرنا عبد الله بن عون عن نافع قال: كان الناس يأتون الشجرةَ التي يقال لها شجرة الرضوان فيُصَلُّون عندها قال: فبلغ ذلك عمر بن الخطّاب فأوعدهم فيها و أمر بها فقُطِعَتْ.

[طبقات ابن سعد ۲: ۱۰۰]

''لوگ شجرِ رضوان کے پاس آ کر وہاں نماز پڑھا کرتے تھے، یہ بات جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے انہیں ایسا کرنے سے روکا اور اُس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا۔''

اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نافع اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔ نافع کی ایک صحیح حدیث میں ہے جسے وہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ: رَجَعْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَمَا اجْتَمَعَ اثْنَانِ عَلَى الشَّجَرَةِ الَّتِيْ بَايَعْنَا تَحْتَهَا كَانَتْ رَحْمَةً مِّنَ اللهِ.

[صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر [۵۶] باب البیعۃ فی الحرب [۱۱۰] حدیث: ۲۹۵۸]

''[صلح حدیبیہ کے بعد] جب ہم دوسرے سال دوبارہ آئے تو ہم میں سے دو شخص بھی اُس درخت کی نشان دہی پر متفق نہ ہو سکے جس کے نیچے ہم نے بیعت کی تھی۔ اس [درخت] کا

---

(۱) محمد بن سعد بن منیع زہری، ابوعبداللہ، ثقہ مورخ، حافظ حدیث اور قاضی محمد بن عمر واقدی کے کاتب و سیکرٹری تھے۔ بصرہ میں ۱۶۸ھ = ۷۸۴ء کو اُن کی ولادت ہوئی۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے اور وہیں ۲۳۰ھ = ۸۴۵ء کو وفات پائی۔ واقدی کے کاتب رہنے کے باوجود بھی اُن کی وثاقت اور عدل میں کوئی کمی تسلیم نہیں کی گئی۔ [تاریخ بغداد ۵: ۳۲۱، الاعلام ۶: ۱۳۷]

چھپ جانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اُس درخت کا صحیح مقام اور اُس کی صحیح جگہ کسی بھی صحابی کو یاد نہیں رہا اور یہی بات درخت کو کاٹنے والی روایت کو ضعیف قرار دیتی ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے سعید بن مسیّب اپنے والد سیدنا مسیّب بن حزن مخزومی قریشی رضی اللہ عنہ[1] کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ: لقدْ رأيتُ الشَّجرَةَ ثم أتيتُها بعدُ فلَمْ أعْرِفْها.

[صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب غزوۃ الحدیبیۃ [۳۶] حدیث: ۴۱۶۲]

''میں نے وہ درخت دیکھا تھا [جس کے نیچے بیعتِ رضوان ہوئی تھی لیکن] بعد میں جب آیا تو میں اسے پہچان نہ سکا۔''

اس سے آگے والی روایت سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے۔ طارق بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں:

انطَلَقتُ حَاجًا فَمَرَرْتُ بقَوْمٍ يُصَلُّونَ، قلتُ: ما هذا المسجدُ؟ قالوا: هذه الشجرةُ حيثُ بايَعَ رسولُ اللهِ ﷺ بيعةَ الرِّضوان فأتيتُ سعيدَ بنَ المُسَيَّبِ فأخبرتهُ فقال سعيد: حدَّثَني أبي أنَّهُ كانَ فِيمَنْ بَايَعَ رسولَ اللهِ ﷺ تحتَ الشَّجرَةِ، قال: فلَمَّا خرَجْنامِنَ العامِ المُقْبِلِ نَسِيْنَاهَافلَمْ نَقْدِرْعليها، فقال سعيدٌ: إنَّ أصحابَ مُحَمَّدٍ ﷺ لم يعلموها وعَلِمْتُموها أنتم فأنتم أعْلَمُ.

[صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب غزوۃ الحدیبیۃ [۳۶] حدیث: ۴۱۶۳]

''میں حج کے لیے نکلا تو چند ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون سی مسجد ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بیعتِ رضوان لی تھی۔ میں سعید بن مسیّب کے پاس آیا اور انہیں اس کی خبر دی تو اُنہوں نے فرمایا: مجھے میرے والد نے بتایا اور وہ اُن لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے درخت کے نیچے

---

(۱) مسیّب بن حزن بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم قرشی مخزومی ابوسعید۔ غزوۂ یرموک میں شریک رہے ہیں۔ [اسد الغابۃ: ۱۱۳۲، ترجمہ: ۴۹۳۰]

رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی، انہوں نے فرمایا: جب ہم اگلے سال حج کے لیے نکلے تو اُس کی جگہ بھول گئے اور اُس کے معلوم کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ سعید بن مسیّب نے فرمایا: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے اَصحابِ کرام رضی اللہ عنہم تو اُس درخت کو پہچان نہ سکے اور تم لوگوں نے اُسے پہچان لیا! تم لوگ اُن سے زیادہ جانتے ہو؟''

اِس سے معلوم ہوا کہ شجرِ رضوان کی جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھلا دیا گیا تھا، اس لیے کسی اور کو کیسے معلوم ہو کہ یہ شجرِ رِضوان ہے، جہاں وہ نمازیں پڑھ لے؟؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب کیسے ملا؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ واقعہ زبان زدِ عام وخاص ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک منافق شخص نے اپنے ایک قضیے میں جب رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو ماننے سے انکار اور ناراضی کا اظہار کیا تو اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی تلوار سے قتل کر دیا اور نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے خون کو ہدر یعنی رائگاں قرار دیتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اُس کا قصاص نہیں لیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ منافقین میں سے ایک شخص جس کا نام بشر تھا، ایک یہودی شخص کے ساتھ کسی معاملہ میں اس کا کوئی تنازع تھا۔ یہودی نے اُس سے کہا کہ ہمارے مابین فصلِ نزاع کے لیے مجھے [سیدنا] محمد [مصطفیٰ ﷺ] کے پاس لے چلو۔ منافق نے کہا: نہیں بلکہ اس سلسلے میں ہم کعب بن اشرف (۱) کے پاس جائیں گے۔ اُس یہودی نے اس معاملے کو رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے پاس لے جانے سے انکار کر دیا منافق نے اس کے اصرار کو دیکھا تو اس کے ساتھ چل دیا چنانچہ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہونے اور معاملہ آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے جو فیصلہ فرمایا وہ یہودی کے حق میں نکلا پھر وہ دونوں جب آپ کے پاس سے اٹھ کر نکل گئے تو وہ منافق، یہودی

---

(۱) کعب بن اشرف الطائی۔ بنونبہان سے تعلق تھا۔ جاہلی شاعر تھا۔ اُس کی ماں بنونضیر سے تھی اس لیے کعب بن اشرف نے بھی یہودیت اختیار کی۔ اپنی ننہال میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کے قریب ایک قلعہ میں رہائش تھی جس میں کھجور اور خورونوش کے اشیاء کی تجارت کرتا تھا۔ اسلام کے صفِ اول کے دشمنوں میں تھا۔ مسلمان عورتوں کو دیکھ کر اُن کی ہجو کرتا تھا۔ ۳ھ = ۶۲۴ء کو رسول اللہ ﷺ نے پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھیج کر اُسے قتل کرانے کا حکم دیا۔ [الروض الانف ۵: ۴ ،۲۸۴ الاعلام ۵: ۲۲۵]

کے پیچھے پڑ گیا اور اس نے باصرار کہا کہ ہم اپنے فیصلے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں گے چنانچہ وہ دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور یہودی نے اُن کے سامنے عرض کیا: میں اور یہ شخص اپنے مابین ایک اختلافی قضیہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اُنہوں نے ہماری بات بات سن کر میرے حق میں اور اس شخص کے خلاف فیصلہ کر دیا ہے لیکن یہ اُن کے فیصلے پر راضی نہیں ہوا۔ اس کا خیال ہے کہ اب یہ فیصلہ آپ سے کرائے اس کے لیے یہ میرے پیچھے پڑا رہا۔ چنانچہ اسی وجہ سے میں اس کے ساتھ آیا ہوں۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُس منافق سے پوچھا: کیا یہ آدمی صحیح کہہ رہا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم دونوں ذرا رُکو۔ میں ابھی آتا ہوں پھر آپ اپنے گھر میں تشریف لے گئے اور تلوار اُٹھائی اور دوبارہ نکل آئے پھر اُس تلوار سے منافق پر ایسا وار کیا کہ وہ وہیں دم توڑ گیا اور کہا میں ایسے لوگوں کے مابین جو اللہ اور اُس کے رسول کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتے، اسی طرح کا فیصلہ کرتا ہوں۔ پھر وہ یہودی وہاں سے بھاگ گیا اور اُس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا. [سورۃ النساء۴:۶۰]

اور سیدنا جبریل علیہ السلام نے فرمایا: بلاشبہ [سیدنا] عمر [رضی اللہ عنہ] نے حق کو باطل سے جدا کر دیا چنانچہ اسی بنا پر انہیں ''الفارق'' کا لقب دیا گیا۔

[تفسیر ابن ابی حاتم ۳:۹۹۴، روایت: ۵۵۶۰، الکشف والبیان، ثعلبی ۳:۳۳۷، اسباب النزول، واحدی: ۱۶۶، روایت: ۳۳۱]

واضح رہے کہ تمام مراجع میں اس واقعے کے طرق روایت اور متون کا دقت نظر سے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ اس واقعہ کا تذکرہ متعدد تفاسیر اور کتب

اسباب نزول میں نظر آرہا ہے، تاہم اصل مصدر وماٗخذ کی حیثیت اس واقعے کے بارے میں تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ثعلبی ہی کو حاصل ہے اور متاخرین نے درحقیقت ان ہی دو مصادر کی روایت کو ان ہی کے طریق کے ساتھ یا بغیر کسی بیان سند کے اپنی کتابوں میں محض نقل کر دیا ہے۔ ان دونوں مصادر سے مختلف اگر کوئی نیا طریق بعد میں سامنے آیا ہے تو وہ حافظ ابن کثیر نے آٹھویں صدی ہجری میں اپنی تفسیر ۴:۱۴۶-۱۴۷ میں ابراہیم بن رُحیم کی تفسیر کی نسبت سے امت میں پہلی مرتبہ متعارف کرایا ہے۔

تحقیق اَسانید

تحقیق سند کے اعتبار سے دیکھا جائے تو زیر بحث واقعہ کل تین طریق سے مروی ہے جن میں سے ایک طریق بھی درجہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

- پہلا طریق: جسے امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، یہ ہے: یونس بن عبدالأعلی عن ابن وھب عن عبد اللہ بن لھیعة عن أبي الأسود ہے۔

[تفسیر ابن ابی حاتم ۳:۹۹۴، روایت: ۵۵۶۰]

یہ سند ضعیف ہے اس لیے کہ:

- عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ حضرمی ابوعبدالرحمٰن مصری قاضی اور صدوق تھے۔ کتابیں جل جانے کے بعد اختلاط کا شکار ہوئے۔ ابن مبارک اور ابن وہب کی ان سے مرویات نسبتاً اچھی ہوتی ہیں۔ [تقریب التھذیب: ۳۵۳، ترجمہ: ۳۵۶۳]

- یہ سند ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل پر جا کر رُک جاتی ہے۔ جو رواۃ کے چھٹے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ [تقریب التھذیب: ۵۲۳، ترجمہ: ۶۰۸۵]

جب کہ طبقہ سادسہ کے تمام رواۃ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی ملاقات ثابت نہیں۔ [تقریب التھذیب: ۱۱۲]

عہد نبوی کا یہ واقعہ وہ بغیر کسی واسطے کے براہ راست بیان کر رہے ہیں۔ درمیانی واسطے

غائب ہیں اس لیے حافظ زیلعی [(۱)] لکھتے ہیں کہ:

هكذا رواه ابن مَرْدَوَيْه، وهو مرسلٌ، وابن لهيعة ضعيف.

[تخريج الأحاديث الواقعة في تفسير الكشاف للزمخشري ۱: ۳۳۰، بذیل: ۳۳۹، حدیث: ۳۹]

''اسے ابن مردویہ [(۲)] نے بھی اس طرح نقل کیا ہے۔ یہ ایک مرسل روایت ہے۔ اس کا راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے۔''

حافظ ابن کثیر ذِکرُ سببٍ آخرَ غریبٌ جدًا ''دوسرا سبب نزول جو نہایت ضعیف ہے'' کے عنوان کے تحت مذکورہ روایت درج کر کے لکھتے ہیں: هو أثرٌ غريبٌ، و هو مرسلٌ، وابن لهيعة ضعيفٌ. [تفسیر ابن کثیر ۴: ۱۴۵-۱۴۶]

''یہ نہایت ہی غریب [ضعیف] اثر ہے۔ مرسل ہے اور اس کا راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے۔''

— دوسرا طریق: اس کو ثعلبی [(۳)] اور واحدی نے پیش کیا ہے: محمد بن السّائب الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس ﷺ.

[الکشف والبیان، ثعلبی ۳: ۳۳۷، اسباب النزول، واحدی: ۱۶۶]

---

(۱) عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی، ابومحمد، جمال الدین، فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ صومال کے علاقے زیلع سے تعلق تھا۔ ۷۶۲ھ = ۱۳۶۰ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔

[البدر الطالع ۱: ۴۰۲، الاعلام ۴: ۱۴۷]

❁ خیال رہے کہ تَبْيِينُ الْحَقَائِقِ شَرْحُ كَنْزِ الدَّقَائِقِ کے مصنف زیلعی ان کے علاوہ ہے، جن کا نام عثمان بن علی بن محجن فخر الدین [وفات: ۷۴۳ھ = ۱۳۴۳ء] ہے۔ [الدرر الکامنۃ ۲: ۴۴۶]

(۲) احمد بن موسیٰ بن مَرْدُوْيَة اصبہانی، ابوبکر۔ ۳۲۳ھ = ۹۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ انہیں ابن مردویہ الکبیر بھی کہا جاتا ہے۔ ۴۱۰ھ = ۱۰۱۹ء کو وفات پائی۔ حافظ حدیث، مفسر اور مؤرخ تھے۔

[سیر أعلام النبلاء ۱۷: ۳۰۸، الاعلام ۱: ۲۶۱]

(۳) احمد بن محمد بن ابراہیم ابو اسحاق نیشاپوری ثعلبی، مفسر ہیں۔ تاریخ سے بھی شغل رکھتے ہیں۔ ۴۲۷ھ = ۱۰۳۵ء کو وفات پائی۔ ثعلبی لقب ہے۔ نسب نہیں۔ لومڑی کی کھال پہننے کی وجہ سے ثعلبی کہلائے۔

[وفیات الاعیان ۱: ۷۹-۸۰، الاعلام ۱: ۲۱۲]......

اس سند کے بارے میں دو باتیں پیش نظر رہے:

-۱: ثعلبی کی ولادت محمد بن سائب کلبی کی وفات کے کم وبیش دو سو سال بعد ہوئی ہے اس لیے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سن ۱۴۷ھ میں وفات پانے والے راوی محمد بن سائب کلبی سے براہ راست منسوب کر کے یہ واقعہ وہ کس ثبوت اور سند کی بنیاد پر نقل کر رہے ہیں؟ ثعلبی کی یہ سند درمیان کے رواۃ سے خاموش کیوں ہے؟ اس اعتراض سے سند کا ضعف انقطاع اور عدم اتصال بدیہی طور پر واضح ہے۔

-۲: اس کا راوی محمد بن سائب کلبی، کذاب اور ساقط الاعتبار ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ متروک تھا۔ سبأی تھا اور کہا کرتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مرے نہیں ہیں بلکہ واپس دنیا میں آئیں گے اور اسے عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ جھوٹ بولنے سے بدنام تھا۔ [احوال الرجال:۵۴، الضعفاء نسائی ترجمہ:۲۱۱، میزان الاعتدال۳:۵۵۸، تقریب التہذیب:۵۱۰، ترجمہ: ۵۹۰۱]

حافظ سیوطی لکھتے ہیں: وأوهى طُرُقِهِ طريق الكلبي، فإن انضم إلى ذلك رواية محمد بن مروان السدي الصغير فهي سلسلة الكذب.

[الاتقان فی علوم القرآن۴:۱۸۷، نوع:۸۰]

"تفسیر کا سب سے کمزور طریق کلبی کا ہے اور اگر کلبی کے ساتھ سدی صغیر بھی کسی سند میں شامل ہو جائے تو یہ سند جھوٹ کی لڑی تصور کی جائے گی۔"

...... حافظ ابن تیمیہ نے اُن کی تفسیر کے بارے میں لکھا ہے: والثعلبي هو في نفسه كان فيه خيرٌ ودِينٌ، وكان حاطب ليل، ينقل ما وجد في كتب التفسير من صحيح وضعيف وموضوع.

[مجموع الفتاویٰ۱۳:۱۵۸]

"ثعلبی فی نفسہ دین دار اور پاک باز تھے لیکن حاطب لیل تھے۔ تفسیر کے متعلق اُنہیں جو کچھ ملتا ہے اسے نقل کرتے ہیں اور قطعاً اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف وموضوع۔"

۔۳:اس کا راوی ابوصالح باذام متروک الحدیث ہے۔محدثین اسے دروغ زن یعنی جھوٹا کہتے ہیں۔اس نے براہ راست سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں سنی۔

[المجروحین ا:۲۱۰'ترجمہ:۱۲۸]

اس سند کے مذکورہ بالا علل کی بنا پر یہ بات پوری قطعیت سے ثابت ہوتی ہے کہ اس واقعے کا یہ طریق کسی بھی درجے میں عہد رسالت کے اس واقعے کو ثابت کرنے کی صلاحیت اپنے اندر نہیں رکھتا اور ان آفات سند سے متعین ہوتا ہے کہ علم روایت حدیث کی رو سے یہ ایک موضوع اور انتہائی ناقابل اعتبار طریق ہے جو بالکل ناقابل التفات اور ناقابل استدلال ہے۔

– تیسرا طریق: جسے حافظ ابن کثیر نے تفسیر [۴:۱۴۶-۱۴۷] میں ابواسحاق ابراہیم بن عبدالرحمٰن دُحیم [وفات:۳۱۹ھ] کی تفسیر کی نسبت سے اور ان ہی کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔وہ سلسلہ سند یوں ہے: حدثنا شعيب بن شعيب'حدثناأبو المغيرة'حدثناعتبة بن ضمرة'حدثني أبي.

یہ روایت بھی مرسل ہے اگر چہ اس کے رواۃ ثقہ اور صدوق ہیں۔اس کی سند ضمرۃ بن حبیب بن صہیب زُبیدی'ابوعتبہ حمصی پر پہنچ کر رُک جاتی ہے جو خود تابعین میں سے ہیں اور جن کا تعلق رواۃ حدیث کے چوتھے طبقے سے ہے۔[تقریب التہذیب:۳۱۵'ترجمہ:۲۹۸۶] اس طبقہ کے رُواۃ کی اکثریت کبار تابعین (۱) سے روایت لیتے ہیں۔

[تقریب التہذیب:۱۱۱]

---

(۱) یعنی اونچے درجہ کے تابعی'ان کا تعارف اس طرح کیا گیا ہے:التابعي الكبير الذي لقي جماعة من الصحابة و جالَسَهم كعبيد الله بن عدي بن الخيار ثم سعيد بن المسيب و أمثالهما.

[مقدمۃ ابن الصلاح:۷۰'نوع:۹'الیواقیت والدرر فی شرح نخبۃ ابن حجر ا:۴۹۸]

''وہ تابعی ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک بڑے گروہ سے مل چکے ہوں اور بکثرت اُن سے فیض حاصل کیا ہو'جیسے قیس بن ابی حازم اور سعید بن المسیب۔''

عہدِ رسالت کا یہ واقعہ وہ براہ راست بیان کر رہے ہیں۔ ان کی روایت بھی عدمِ اتصال کی بنا پر مرسل اور ضعیف ہی قرار پاتی ہے۔

متن میں اضطراب

سند کے علاوہ اس واقعہ کے متن میں بھی اضطراب ہے۔ ایک متن میں مقتول شخص کے یہود میں سے ہونے کی خبر دی گئی ہے اور دوسرے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص مسلمانوں ہی میں سے تھا۔ کسی روایت میں اُس کا نام بشر بتایا جا رہا ہے تو کسی میں بسر۔

متن میں اس حوالے سے بھی اضطراب پایا جاتا ہے کہ دونوں افراد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے سے پہلے اپنا قضیہ آیا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی لے کر گئے تھے یا نہیں۔ اگر واقعتاً ایسا ہوا تھا جیسا کہ بعض متون میں نقل ہوا ہے تو اس موقع پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا تھا؟ اس سوال کے جواب میں بھی روایتیں مضطرب المتن ہیں۔

بعض طرق میں بیان ہوا ہے کہ اس واقعے کے رونما ہونے پر سورۃ النساء کی آیت: فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ نازل ہوئی جب کہ بعض متون اُس موقع پر سورۃ النساء ہی کی آیت: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا کے نزول کی گواہی دیتے ہیں۔

عاشق نے اذان نہیں دی تو سورج نہیں نکلا

کہا جاتا ہے کہ بعض صحابہ کو سیدنا بلال کی رضی اللہ عنہ اذان پسند نہ آئی تو اُنہوں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو فجر کی اذان دینے سے روک دیا تو کسی اور صحابی نے اذان دی لیکن ایک حیران کن معاملہ ہوا کہ اُس روز سورج نکلا ہی نہیں۔ لوگ اس بات سے خوف زدہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو حکم دیا ہے کہ تو اُس وقت تک نہ نکلنا جب تک بلال بن ابی رباح [رضی اللہ عنہ] اذان نہ دے۔

یہ قصہ یوں تو زبان زد ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ صحیح حدیث میں تو درکنار کسی ضعیف وموضوع روایت میں بھی یہ قصہ موجود نہیں اور نہ ہی کسی واعظ نے اس کی کوئی سند بیان کی ہے!

اس پر یہ بھاری برکم اعتراض موجود ہے کہ آخر وہ کون صحابی ہیں جنہیں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اچھی نہیں لگی؟ اُن کے بارے میں تو سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:۔

أبو بكرٍ سَيِّدُنَا، وأَعْتَقَ سَيِّدَنَا، يَعنِيْ: بِلَالًا. [صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۶۲] باب مناقب بلال بن رباح مولیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہما [۲۳] حدیث: ۳۷۵۴]

"ابو بکر [رضی اللہ عنہ] ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کو [خرید کر] آزاد کیا۔ اُن کی مراد سیدنا بلال [رضی اللہ عنہ] تھے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہانی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کسی دشمن نے وضع کی ہے اس لیے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی انہیں سیدنا بلال [رضی اللہ عنہ] کہتے ہیں اس لیے اس کہانی کے موضوع ومن گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں۔

عام الحزن/ سالِ اندوہ

محترم نعیم صاحب صدیقی لکھتے ہیں کہ: دورِ نظر بندی کا خاتمہ ہوگیا اور ایک بار پھر اللہ کا نبی اپنے گھرانے سمیت آزادی کی فضا میں داخل ہوا لیکن اب اِس سے بھی سخت تر دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ نبوت کا دسواں سال تھا اس سال میں اولین سانحہ یہ پیش آیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب کی وفات ہوگئی۔ اِس طرح وہ ایک ظاہری سہارا بھی چھن گیا جو رسول اللہ ﷺ کو اپنے سایہ شفقت میں لیے ہوئے دشمنوں کے لیے پوری استقامت سے آخر دم تک مزاحم رہا تھا۔

اسی سال دوسرا صدمہ رسول اللہ ﷺ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا [1] کی رحلت کا اٹھانا پڑا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا محض رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہی نہیں تھیں بلکہ السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن میں تھیں اور انھوں نے دورِ رسالت سے قبل بھی موانست وغم گساری میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور اولین وحی کے نزول سے لے کر تادمِ آخر راہِ حق میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سچی رَفاقت کا حق ادا کر کے دکھلا گئیں۔ تحریکِ حق کی حمایت میں مال بھی خرچ کیا۔ قدم قدم پر مشورے بھی دیے اور دلی جذبے سے تعاون دکھایا۔ بجا طور پر کہا گیا ہے کہ: کَانَتْ لَهٗ وَزِیْرًا ''وہ اُن کے لیے وزیر تھیں۔''

---

(۱) خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ، قریش سے تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ تھیں۔ ۶۸ قبل ہجرت = ۵۵۶ء کو مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئیں۔ شرف و مال داری رکھنے والے گھر میں پلیں، بڑھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ساری اولاد سوائے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے اُن کے بطن سے ہوئی۔ سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ۳ قبل ہجری = ۶۲۰ء کو مکہ معظّمہ میں وفات ہوئیں۔

[اسد الغابۃ: ۲: ۱۵۰، ترجمہ: ۶۸۷۷، الاعلام ۲: ۳۰۲]

ایک طرف تو یکے بعد دیگرے یہ دو صدمے رسول اللہ ﷺ کو سہنے پڑے اور دوسری طرف ان ظاہری سہاروں کے ہٹ جانے کی وجہ سے مخالفت کا طوفان اور زیادہ چڑھاؤ پر آ گیا۔ اب تو گویا موجیں سر سے گزرنے لگیں مگر مشیتِ الٰہی کا تقاضا غالباً یہ تھا کہ سچائی اپنا راستہ آپ بنائے۔ سچائی اپنی حفاظت آپ کرے۔ سچائی اپنے لیے خود ہی واحد سہارا ثابت ہو۔ اب جو دنیوی سہارے پوری طرح ہٹا لیے گئے تھے' شاید اس کے بغیر سچائی کی روح پوری طرح واضح نہ ہو سکتی۔ ان ہی غم انگیز حالات کی وجہ سے یہ سال، سالِ اندوہ یا عام الحزن کے نام سے موسوم ہوا۔ [محسن انسانیت ﷺ:۲۰۶-۲۰۷]

حدیث' سیرت اور اسلامی تاریخ کی کتابوں میں یہ ساری تفصیل تو موجود ہے لیکن اس سال کو ''عام الحزن'' کے نام سے یاد کرنا بہت بعد کی پیداوار ہے۔ یہ بات تو بالکل بھی ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ' صحابہ کرام ﷺ' تابعین یا ائمہ متقدمین نے اسے ''عام الحزن'' دیا ہو۔ اس بارے میں کوئی صحیح اور باسند حدیث موجود نہیں۔ موجودہ مطبوع اسلامی' دینی اور ادبی سرمایہ میں اسے ''عام الحزن'' کے نام سے موسوم کرنے کی تاریخ حسب ذیل ہے:

-۱: علامہ ابو حیان توحیدی (۱) نے لکھا ہے کہ: قال ثعلب: مات أبو طالب و خديجة عليهما السّلام في عامٍ واحدٍ' وهو عام الهجرة' فسمّاهُ رسولُ اللهِ ﷺ عام الحزن.

[البصائر والذخائر ۴:۹:۱۷۷' فقرہ:۶۶۹]

''ثعلب (۲) کہتے ہیں کہ ابو طالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ایک سال، یعنی

---

(۱) علی بن محمد بن عباس توحیدی' ابو حیان' فلسفی' صوفی اور معتزلی تھے۔ شیراز یا نیسابور میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک بغداد میں رہائش پذیر تھے۔ ''رے'' منتقل ہوئے اور وہیں ۴۰۰ھ = ۱۰۱۰ء کو وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۷:۱۱۹]

(۲) احمد بن یحییٰ بن زید بن سیار شیبانی بالولاء' ابو العباس۔ ۲۰۰ھ = ۸۱۶ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ نحو اور لغت میں اہل کوفہ کے امام تھے۔ شعر کے بہت بڑے راوی' محدث' حفظ اور صدق لہجہ سے مشہور اور ثقہ و حجت تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں سننے کی قوت جاتی رہی۔ بغداد ہی میں ۲۹۱ھ = ۹۱۴ء کو وفات......

ہجرت کے سال ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے ''عام الحزن'' کا نام دیا۔''

آپ دیکھتے ہیں کہ امام ثعلب نے ''عام الحزن'' کو یہ نام دینے کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف تو کردی لیکن اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی کہ انہیں کس سند کے ساتھ یہ بات پہنچی ہے جب کہ دینی امور میں إسناد کو بنیادی ہمیت حاصل ہے اور اس کے بغیر دین ثابت نہیں ہوسکتا امام عبداللہ ابن مبارک (۱) فرماتے ہیں کہ:

الإسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ، وَلَوْلَا الإسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَآءَ مَاشَآءَ (۲).

[صحیح مسلم، مقدمہ: ۶۷، باب: الاسناد من الدین [۵] روایت ۳۲]

...... پائی۔ [طبقات الحنابلہ ا: ۸۳، ترجمہ: ۸۰، الاعلام ا: ۲۶۷]

(۱) عبداللہ بن مبارک بن واضح حنظلی، تمیمی، مروزی، ابوعبدالرحمٰن، خراسان سے تعلق تھا۔ ۱۱۸ھ = ۷۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ دریائے فرات کے ساحلی گاؤں ہیت میں ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء کو وفات پائی۔ حافظ حدیث، شیخ الاسلام اور تاجر و مجاہد تھے۔ علم حدیث، فقہ، عربیت، تاریخ اور شجاعت و سخاوت میں اپنی مثال آپ تھے۔ [وفیات الاعیان ۳: ۳۲، تاریخ بغداد ۱۰: ۱۵۲، تذکرۃ الحفاظ ا: ۲۷۴، الاعلام ۴: ۱۱۵]

(۲) امام احمد بن عمر قرطبی، محدث [وفات: ۶۵۶ھ] لکھتے ہیں: وهذا الذي قاله ابن المبارك قد قاله أنس ابن مالك، وأبو هريرة، ونافع مولى ابن عمر ﷺ وغيرهم، وهو أمرٌ واضح الوجوب لا يُختلف فيه. [المُفهِم لِمَا أشْكَلَ مِن تلخِيصِ كتابِ مُسْلِم ا: ۱۲۱]

''الإسناد من الدين'' صرف امام ابن مبارک ہی کا قول نہیں ہے بلکہ یہ سیدنا انس بن مالک، سیدنا ابو ہریرۃ اور نافع مولیٰ ابن عمر ﷺ کا ارشاد بھی ہے اور یہ ایسی واضح چیز ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

امام شاطبی: ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ، وفات: ۷۹۰ھ فرماتے ہیں: جعلوا الإسناد من الدين، ولا يعنون: حدثني فلانٌ عن فلانٍ مجرداً، بل يريدون ذلك لما تضمنه من معرفة الرجال الذين يحدث عنهم، حتى لا يسندعن مجهول ولا مجروح، ولا مُتَّهَم، إلّا عمّن تحصل الثقة بروايته، لأن روح المسئلة أن يغلب على الظن من غير ريبة أن ذلك الحديث قد قاله النبي ﷺ لنعتمد عليه في الشريعة، ونسند إليه الأحكام. [الاعتصام ۲: ۱۵، باب: فی ما خذ اہل البدع [۴] فصل اول]

''اِسناد دین میں سے ہے'' اس جملے کا یہ مطلب نہیں، کہ حَدَّثَنِي فُلَانٌ عَن فُلَان پر اکتفاء کی جائے.....

”اِسنادِ حدیث ہی دین ہے‘ اگر اِسناد نہ ہوتی تو پھر ہر کوئی جو چاہتا‘ وہی کہہ دیتا۔“

۲- علامہ بدرالدین عینی (۱) لکھتے ہیں: تُوُفِّيَ أبوطالب وخديجة في أيامٍ ثلاثةٍ قال صاعدفي كتاب النصوص: فكان النبي ﷺ يسمي ذلك العام :عامَ الحزنِ‘ و كان ذلك قد أتى للنبي ﷺ تسعة وأربعون سنة وثمانية أشهر وأحد عشر يومًا.

[عمدۃ القاری ۸: ۲۶۱‘ بذیل حدیث: ۱۳۶۰]

”ابوطالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تین دن کے اندر اندر یکے بعد دیگرے وفات پا گئے۔ صاعد (۲) نے ”کتاب النُّصوص“ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سال کو ”سالِ اندوہ“ فرمایا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر ۴۹ سال‘ ۸ ماہ اور ۱۱ دن تھی۔“

اس حوالے کے بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن صاعد نے اپنی بات کے لیے کوئی سند ذکر نہیں کی اور دوسری بات یہ ہے کہ ابن صاعد کے بارے میں تو یہاں تک لکھا گیا ہے کہ:

كان صاعد هذا يُتَّهَمُ بالكذبِ وقِلَّةِ الصِّدْقِ فيما يُوْرِدُهُ. عَفَى الله عنه. [الصِّلَةُ ۱: ۲۱۱]

”اس صاعد پر جھوٹ بولنے اور جو کچھ وہ نقل کرتا ہے‘ اس میں قلتِ صدق کی تہمت تھی۔

...... بلکہ اس سے محدثین کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی مجھول‘ مجروح‘ متہم اور غیر ثقہ راوی سے روایت نہ لی جائے‘ کیوں کہ اس مسئلے کی جان یہی ہے کہ ایسی با اعتماد سند ذکر کی جائے جس سے یہ غالب گمان ہو کہ واقعی یہ بات رسول اللہ ﷺ ہی نے فرمائی ہے تاکہ ہم شرعی احکام کے سلسلے میں اس پر اعتماد کر سکیں۔“

(۱) محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد، ابومحمد بدرالدین عینی حنفی۔ مؤرخ‘ علامہ اور بہت بڑے محدث تھے۔ ۷۶۲ھ = ۱۳۶۱ء کو عین تاب میں پیدا ہوئے۔ حلب‘ مصر اور دمشق میں رہائش پذیر رہے ہیں۔ قاہرۃ میں ۸۵۵ھ = ۱۴۵۱ء کو وفات ہوئے۔ [الضوء اللامع ۱۰: ۱۳۱ - ۱۳۵‘ ترجمہ: ۳۱۲۸‘ الاعلام ۷: ۱۶۳]

(۲) صاعد بن حسن بن عیسیٰ الربعی البغدادی‘ ابوالعلاء۔ عالم‘ ادیب‘ شاعر اور واعظ تھے۔ موسیقی پر عبور حاصل تھا۔ ربیعۃ بن نزار کی نسبت سے الربعی کہلاتے ہیں۔ موصل میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں پلے بڑھے۔ ۳۸۰ھ کے لگ بھگ اندلس [سپین] منتقل ہوئے۔ ۴۱۷ھ = ۱۰۲۶ء کو صقلیہ [سسلی] میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۲: ۴۸۸‘ ترجمہ: ۳۰۱‘ الاعلام ۳: ۱۸۶]

اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔"

اور اہل فن نے لکھا ہے کہ: أكرمه المنصور وزاد في الإحسان إليه والإفضالِ عليه، وكان مع ذلك محسنًا للسُّؤَّالِ حاذقًا في استخراج الأموال، و جمع له كتاب "النصوص" نحا فيه مَنحى القالي في أماليه، وأثابه عليه خمسة آلاف دينارٍ، و كان يُتَّهَمُ بالكذب في نقله، فلهٰذا رَفضَ النَّاسِ كتابه...... و لَمَّا ظَهَر للمنصورِ كذبه في النَّقلِ وعدم تَثَبُّتِهِ رمى كتاب "الفصوص" في النهر، لأنه قيل له: جميع ما فيه لاصحة له. [وفیات الاعیان وأنباء أبناء الزمان ۲: ۴۸۸-۴۸۹، ترجمہ: ۳۰۱]

"منصور (۱) نے اِحسان واکرام کر کے انہیں عزت بخشی۔ سائلین کے ساتھ احسان کرنے والے اور اُن پر مال مال نچھاور کرنے والے تھے۔ صاعد نے منصور کے لیے "النصوص" کے نام سے امام قالی (۲) کی امالی کے قسم کی ایک کتاب لکھی جس کے عوض انہیں پانچ ہزار دینار سے نوازا گیا۔ نقل وروایت میں جھوٹ بولنے کی تہمت تھی اس لیے لوگوں نے اُن کی کتاب چھوڑ دی تھی اور جب منصور کو نقل وروایت میں اُس کے جھوٹ بولنے اور اس میں عدم تثبت ظاہر ہوا تو کتاب الفصوص کو دریا میں پھینک دیا اس لیے کہ اُنہیں بتایا گیا تھا کہ یہ پوری کی پوری کتاب صحیح نہیں۔"

---

(۱) محمد بن عبداللہ بن عامر بن محمد ابی عامر بن ولید بن یزید بن عبدالملک معافری قحطانی ابو عامر المعروف المنصور بن ابی عامر امیر اندلس۔ جزیرۃ الخضراء سے تعلق تھا۔ ۳۲۶ھ = ۹۳۸ء کو پیدا ہوئے۔ اشبیلیہ کے قاضی رہے۔ ۳۹۲ھ = ۱۰۰۲ء کو وفات پائی۔ [الوافی بالوفیات ۳: ۲۵۳، الاعلام ۶: ۲۲۶]

(۲) اسماعیل بن قاسم بن عیدون بن ہارون بن عیسیٰ بن محمد بن سلمان ابو علی القالی۔ ۲۸۸ھ = ۹۰۱ء کو فرات شرقی کے قریب بحیرۂ وان کے قریبی شہر مناز جرد میں پیدا ہوئے۔ عراق چلے گئے۔ ۲۵ سال تک وہاں رہے۔ ۳۲۸ھ کو مغرب سفر کیا۔ قرطبہ گئے۔ اپنے زمانے میں لغت، شعر اور ادب کے بہت بڑے حافظ رہے ہیں۔ ۳۵۶ھ = ۹۶۷ء کو امیر عبدالرحمٰن الناصر کے دور میں قرطبہ میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان ۱: ۲۲۶، ترجمہ: ۹۵، الاعلام ۱: ۳۲۱]

-۳: امام ثعالبی (۱) لکھتے ہیں: فسمّى النبي ﷺ ذلك العام: عامَ الحزن.

[ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب: ۶۴۴]

"تو رسول اللہ ﷺ نے اس سال کو "عام الحزن" سے موسوم کیا۔"

یہاں بھی آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی سند موجود نہیں !!

-۴: امام ابن سیدۃ (۲) نے بھی لکھا ہے کہ جس سال ابو طالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو "عام الحزن" سے موسوم کیا۔

[المحكم والمحيط الأعظم ۳: ۲۲۵]

امام ابن سیدۃ نے بھی اپنی بات کو باسند نہیں لکھا، نیز انہوں نے اس بات کو امام ثعلب کے حوالے سے لکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ "عام الحزن" کا نام تجویز کرنے کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف نادرست ہے۔

---

(۱) عبد الملک بن محمد بن اسماعیل ابو منصور۔ ثعالبی اسم نسبت ہے جو ثعالب سے ماخوذ ہے یعنی لومڑیوں کی کھالوں کے سینے اور انہیں تیار کرنے والا۔ ایسے لوگوں کو فَرّاء کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ ۳۵۰ھ = ۹۶۱ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ فصیح و بلیغ کاتب اور شاعر و ادیب تھے، جن کے مثمر اور بیدار دماغ نے پچاس سے زیادہ کتابیں چھوڑیں۔ ۴۲۹ھ یا ۴۳۰ھ = ۱۰۳۸ء یا ۱۰۳۹ء کو وفات پا گئے۔

[الانساب ۱: ۵۰۵، شذرات الذہب ۳: ۲۴۷، الاعلام ۴: ۱۶۳]

(۲) علی بن اسماعیل، ابو الحسن، لغت و ادب کے امام تھے۔ مرسیہ [شرق اندلس] میں ۳۹۸ھ = ۱۰۰۷ء میں پیدا ہوئے۔ دانیہ منتقل ہوئے اور وہاں ۴۵۸ھ = ۱۰۶۶ء کو وفات پائی۔ آپ اور آپ کے والد دونوں آنکھوں کی بینائی سے محروم تھے۔ [وفیات الاعیان ۳: ۳۳۱، ترجمہ: ۴۴۹، الاعلام ۴: ۲۶۳]

عدلِ فاروقی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

کہا جاتا ہے کہ ایک دن سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خطبہ کے لیے کھڑے ہو گئے جب کہ آپ نے نئے کپڑے زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔ لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ اسْمَعُوْا وَ أَطِيْعُوْا

''لوگو! سنو اور اطاعت کرو۔''

اچانک سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ [(۱)] کھڑے ہو گئے اور فرمایا: لَا سَمْعَ لَكَ عَلَيْنَا وَ لَا طَاعَةَ.

''ہم تمہاری سنیں گے اور نہ ہی اطاعت کریں گے۔''

آپ نے پوچھا: وہ کیوں؟ کہنے لگے: سب کو مالِ غنیمت میں سے ایک ایک کپڑا ملا ہے جب کہ آپ طویل القامت بھی ہیں۔ آپ کو یہ دو کپڑے کیسے ملے ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ذرا ٹھہریئے اور اپنے بیٹے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اُن کو اللہ کا واسطہ دیا کہ کیا یہ تیرا کپڑا نہیں ہے جو تو نے مجھے ہدیہ کر دیا ہے؟ اُنہوں نے کہا: بالکل ایسا ہی ہے چنانچہ اس پر سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الآنَ نَسْمَعُ وَنُطِيْعُ.

---

(۱) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ خود کو سلمان الاسلام کہا کرتے تھے۔ اصبہان کے ایک مجوسی خاندان میں سے تھے۔ جیان نامی گاؤں میں پلے بڑھے۔ شام، موصل، نصیبین اور عموریہ سے ہوتے ہوئے بلادِ عرب پہنچے۔ بنو کلب کے کچھ افراد کی معیت اختیار کی، جنہوں نے انہیں بزور غلام بنا کر فروخت کیا۔ بنو قریظہ کے ایک شخص نے انہیں خریدا اور اس طرح آپ مدینہ منورہ پہنچے۔ فارسیوں، یہود اور نصاریٰ کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ اسلام قبول کیا۔ غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کا مشورہ انہوں نے دیا تھا۔ ۳۶ھ = ۶۵۶ء کو وفات پائی۔ [اسد الغابۃ: ۴۹۹-۵۰۰، ترجمہ: ۲۱۵۱، الاعلام ۳: ۱۱۱]

''اب حکم کیجیے ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔''

یہ کہانی عوام وخواص کے درمیان نہایت ہی مشہور ہے اور مولانا شبلی نعمانی جیسے محقق نے اسے نظم کی شکل میں پیش کیا ہے۔

ایک دن حضرتِ فاروقؓ نے منبر پہ کہا
میں تمہیں حکم جو دوں تو کروگے منظور

ایک نے اُٹھ کے کہا یہ کہ نہ مانیں گے کبھی
کہ ترے عدل میں نظر آتا ہے فتور!

چادریں مالِ غنیمت جو اَب کے آئیں
صحنِ مسجد میں تقسیم ہوئیں سب کے حضور

ان میں ہر ایک کے حصہ میں فقط ایک آئی
تھا تمہارا بھی وہی حق کہ یہی ہے دستور

اب یہ جو جسم پہ تمہارے نظر آتا ہے لباس
یہ اسی لوٹ کے مال سے بنا ہوگا ضرور!

مختصر تھی وہ رِدا اور تیرا قد ہے دراز
ایک چادر میں تیرا جسم نہ ہوگا مستور

اپنے حصے سے زیادہ جو لیا تو نے تو اب
تو خلافت کے نہ قابل ہے نہ ہم ہیں مامور

گرچہ وہ حدِ مناسب سے بڑھا جاتا تھا
سب کے سب مہر بہ لب تھے چہ اِناث وچہ ذُکور

روک دے. کوئی کسی کو یہ نہ رکھتا تھا مجال
نشہ عدل ومساوات میں سب تھے مخمور!

اپنے فرزند سے فاروقِ معظم نے کہا
تمھیں ہے حالتِ اصلی کی حقیقت پر عبور

تم ہی دے سکتے ہو اِس کا میری جانب سے جواب
کہ نہ پکڑے مجھے محشر میں میرا ربِّ غفور

بولے یہ ابن عمرؓ سب سے مخاطب ہو کر
اِس میں کچھ والد ماجد کا نہیں جرم و قصور

ایک چادر میں جو نہ پورا ہوا ان کا لباس
کر سکی اس کو گوارا نہ میری طبعِ غیُور

اپنے حصے کی بھی میں نے انہیں چادر دے دی
واقعہ کی تھی یہ حقیقت کہ جو تھی مستور

نکتہ چیں نے یہ کہا اُٹھ کے اے فاروق!
حکم دے ہم کو کہ اب ہم اسے مانیں گے ضرور

[دیوان شبلی نعمانی:۱۶-۱۸/httpt/ hallagolla.com/ urdu/]

درسی کتابوں، اردو لٹریچر اور عوامی جلسوں میں اسے شدومد سے بیان کیا جاتا ہے لیکن کسی نے اس کی تحقیق ہی نہیں کی کہ امہات الکتب میں کون سی کتاب میں اس کا تذکرہ ہے۔ حدیث، سیرت یا تاریخ کی کتابوں میں اس کا نام ونشان تک ہی نہیں ملتا۔ جہاں تک میں نے تحقیق کی ہے، امام ابن قتیبہ دینوری [وفات:۲۷۶ھ] سے پہلے کسی کتاب میں اس کا وجود نہیں۔ امام ابن قتیبہ اس کہانی کو عُتبی [وفات:۲۲۸ھ] کی سند سے نقل کرتے ہیں اور حافظ ابن الجوزی [وفات:۵۹۷ھ] عن أبي حاتم عن العُتبي کہہ کر اس کو نقل کرتے ہیں۔

[عیون الاخبار ۱:۱۱۸، صفة الصفوة ۱:۲۵۳، بذیل ترجمہ سیدنا سلمان ﷺ]

علامہ ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن محمد، محبّ الدین الخطیب [وفات:۶۹۴ھ] نے رُوِيَ

أنّ عمر جائته برودٌ من اليمن کے الفاظ میں اسے نقل کیا ہے۔

[الرِّيَاضُ النَّضِرَةُ فِيُ مَنَاقِبِ الْعَشْرَةِ ۲: ۳۸۹]

''روایت کی گئی ہے کہ سیدنا عمرؓ کے پاس یمن سے کچھ چادر آئے......''

آیئے! ذرا تحقیق کریں کہ اس واقعہ کی اصلیت وحقیقت کیا ہے؟

عتبی کا پورا نام اور سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ابوعبدالرحمٰن عتبی ہے۔ بصرہ سے تعلق تھا۔ اَخباری اور فصیح تھے۔ اپنے والد' سفیان بن عیینہ اور ابو مخنف لوط بن یحییٰ کوفی سے روایتیں لیتے ہیں۔ اُن کے شاگردوں میں ابوحاتم بجستانی' ابوالفضل ریاشی' اسحاق بن محمد نخعی' عبدالعزیز بن معاویہ قرشی اور ابوالعباس کدیمی مشہور ہیں۔

[تاریخ بغداد ۲: ۳۲۴-۳۲۵' ترجمہ: ۸۱۵]

عتبی کی وفات ۲۲۸ھ کو ہوئی۔ [تاریخ بغداد ۲: ۳۲۴-۳۲۵' ترجمہ: ۸۱۵]

اس سے معلوم ہوا کہ عتبی کی ملاقات نہ تو کسی صحابی سے ثابت ہے اور نہ کسی تابعی سے اس لیے اصول حدیث کے مطابق یہ روایت معضل (۱) ہوئی۔ معضل حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اس کی حالت مرسل اور منقطع سے بدتر ہوتی ہے کیونکہ اِسناد میں کئی راویوں کو حذف کیا جاتا ہے جن کے ثقہ ہونے کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا' اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں' سب علماء اس پر متفق ہیں: اَلْمُعْضَلُ لَاحُجَّةَ فِيْهِ. [فتح الباری ۵: ۱۹۰]

۔ ممکن ہے عتبی کی یہ روایت ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے ہو جو جلا بھنا شیعہ تھا اور ان کے

---

(۱) لغت میں أعضَلَهُ سے اسم مفعول ہے' جس کے معنی: سخت ہونے' مشکل ہونے اور تنگ ہونے کے ہیں۔ اصطلاح میں وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان میں سے دو یا دو سے زیادہ راوی مسلسل حذف ہوگئے ہوں: مِن أقسام السّقط من الإسناد: إن كان اثنتين فصاعداً مع التوالي فهو المعضل.
[مقدمة ابن الصلاح: ۸۱' نوع: ۱۱]

واقعات نقل کرتا ہے۔[الکامل فی الضعفاء ۷:۲۴۱]

اور ابومخنف متروک الحدیث بھی تھا۔[الجرح والتعدیل ۷:۱۸۲]

۔علمی کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: پیا کرتے تھے۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۱:۹۶' ترجمہ:۲۹]

عشق رسول ﷺ (۱) کا بے نظیر نمونہ

مولانا محمد نعمان صاحب، فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی اس عنوان کے

---

(۱) میں اس لفظ کا استعمال اللہ تعالیٰ اور اس کے عظیم رسول خاتم النبیین سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ فِدَاهُ رُوْحِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَلَحْمِيْ وَأَبِيْ وَأُمِّيْ وَوَلَدِيْ کے لیے قطعاً ناجائز اور غلط جانتا ہوں' اس لیے کہ قرآن وحدیث میں ہمیں حب الٰہی اور حب رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے' نہ کہ ان سے عشق کرنے کا' پھر قرآن وحدیث میں عشق کا لفظ سرے سے استعمال ہی نہیں کیا گیا ہے۔ نیز اپنے بنیادی ہیئت و Structure کے لحاظ سے یہ نہایت لچر اور فضول قسم کا لفظ ہے' چنانچہ مشہور لغوی امام ابن فارس لکھتے ہیں: العِشقُ: الإغرام بالنساء. [مجمل اللغۃ: ۵۲۰]

''عورتوں پر فریفتہ ہو جانے کا نام عشق ہے۔''

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں: العشقُ: عُجب المحب بمحبوبه' أو إفراطُ الحب' ويكون في عَفافٍ' و في دَعارةٍ' أو عمي الحِسّ عن إدراك عيوبه' أو مرضٌ وَسواسيٌّ يَجْلُبُهُ إلى نفسه بتسليط فكره. [القاموس المحیط ۲: ۱۲۰۶]

''عشق حد سے بڑھی ہوئی محبت کو کہا جاتا ہے جس میں اِفراط اور از حد زیادتی ہوتی ہے۔ کبھی محبت کی حد تک اور کبھی معاملہ بداخلاقی تک بھی پہنچ جاتا ہے' یہ ایک وہم اور وسواس کا مرض ہے جو کسی خوب صورت چہرہ کے دیکھنے سے اس کی فکر اور ذہن پر غالب ہو جاتا ہے۔''

صاحب غیاث اللغات لکھتے ہیں: ''بعض اطباء کے نزدیک ''عشق'' دیوانگی کی ایک قسم ہے جو کسی دل کش چہرے کو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے' اور حکیم عبد الرزاق نے فتوحات الحکم سے نقل کیا ہے کہ ''عشق'' دراصل عَشقَةٌ سے لیا گیا ہے جو درختوں پر چڑھنے والی ایک بیل [آکاس بیل] ہے' جسے لبلاب اور عشق پیچہ کہتے ہیں اور یہ بیل جس درخت پر چڑھتی ہے اُسے سُکھا دیتی ہے' بعینہ عشق کی بیماری بھی عاشق کو سُکھا کر ختم کر دیتا ہے۔'' [غیاث اللغات: ۳۴۵]

ہمارے معاشرے میں عشق کا لفظ عموماً نہایت بُرا سمجھا جاتا ہے۔ ہم نے آج تک کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ مجھے اپنی ماں' بہن' یا بیٹی سے عشق ہے' بلکہ ہر مہذب اور باحیا آدمی ان معزز رشتوں کا لحاظ کرتے ہوئے یوں کہے گا کہ مجھے اپنی والدہ سے حد درجہ محبت ہے۔ مجھے اپنی بہن سے بہت زیادہ......

تحت لکھتے ہیں کہ: ''صحابہ کرام ﷺ کی رسول اکرم ﷺ سے محبت وعشق کا عجیب حال تھا......۔
ان ہی سیدنا عبداللہ بن زید بن عبدربہ ؓ[1] کے بارے میں منقول ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال[2] ہوا تو انہوں نے دعاء کی کہ: اَللّٰهُمَّ أَعْمِنِيْ حَتّٰى لَا أَرٰى شَيْئًا بَعْدَهٗ، فَعَمِيَ مَكَانَهٗ. [تفسیر القرطبی ۵:۲۶۰' بذیل تفسیر سورۃ النساء ۴:۶۹]
''اے اللہ! مجھ کو اندھا کردے تاکہ نبی کریم ﷺ کے بعد کسی چیز کو نہ دیکھ سکوں، اُن کی یہ دعاء فوراً قبول ہوئی اور اُسی وقت سے نابینا ہوگئے۔''

[سلف صالحین کے ایمان افروز واقعات: ۱۷۵-۱۷۶]

......الفت ہے' یا میں اپنی بیٹی سے بہت مانوس ہوں۔ ان ہی وجوہ کے پیش نظر قرآن وسنت میں کہیں بھی لفظ عشق استعمال نہیں ہوا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں بھی قرآن عزیز نے تُرَاوِدُ فَتٰهَا [وہ اس پر فریفتہ ہوگئی] کے الفاظ استعمال کیے ہیں' حالانکہ عزیز مصر کی بیوی پر سیدنا یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر دیوانگی [یعنی: عشق] طاری ہوگئی تھی۔
جب عشق کے معنیٰ ''قسمے از جنون'' ہوئے تو قرآن وحدیث میں کیوں کر ہم سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے عشق کا مطالبہ کیا جاتا؟ ہمیں قرآن وحدیث میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا پابند بنادیا گیا ہے نہ کہ ان سے عشق کرنے کا۔
(۱) عبداللہ بن زید بن عبدربہ بن ثعلبہ انصاری خزرجی مدنی بدری ؓ۔ سادات صحابہ میں سے تھے۔ قدیم الاسلام ہیں۔ عقبہ اور بدر وغیرہ غزوات میں شرکت کی۔ اذان کے الفاظ پر مشتمل خواب آپ کو آیا تھا۔ ۳۲ھ کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۲:۳۷۵' ترجمہ: ۷۹]
(۲) مجھے نہیں معلوم کہ ''وفات'' کا صریح اور صاف لفظ چھوڑ کر ''وصال'' کا لفظ کیوں لکھا جاتا ہے؟ وصال وَاصَلَ سے اسم ہے جو اتحاد اور اجتماع کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔ جب کہ علامہ محمد علی تھانوی کی تصریح کے مطابق سالکین کے نزدیک وصال کا معنیٰ حق تعالیٰ کے سوا باقی مخلوق سے انقطاع کو کہتے ہیں۔ اس سے ایک ذات کی دوسری ذات سے اِتصال اور پیوستگی مراد نہیں اس لیے کہ یہ تو دو جسموں کے مابین ممکن ہے لیکن حق تعالیٰ کے بارے میں ایسا توہم وگمان کفر ہے۔
[کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم ۲:۱۷۸۴]

اس سلسلے میں تین باتیں عرض کی جاتی ہیں: پہلی یہ کہ یہ اس حدیث کے خلاف ہے: لَا تَدْعُوْا عَلٰی أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ.

[صحیح مسلم، کتاب الجنائز [11] باب فی اِغماض المیت والدعاء لہ اذا حضر [4] حدیث: 7-920]

"تم اپنے لیے بھلائی کے علاوہ اور کوئی دعا نہ کرو۔"

دوسری یہ کہ امام قرطبی اور دوسرے مفسرین نے اسے امام مکی بن ابی طالب (1) کے حوالے سے لکھا ہے جن کی ولادت ۳۹۳ھ کو ہوئی اُنہوں نے بغیر کسی سند کے اس واقعے کو اپنی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے کہ: وَرُوِيَ أنه لَمَّا بَلَغَهُ موتُ رسولِ الله ﷺ قال......

[الہدایۃ الی بلوغ النہایۃ ۲: ۱۳۸۴]

"روایت کی گئی ہے کہ جب اُنہیں رسول اللہ ﷺ کے موت کی خبر پہنچی تو اُنہوں نے کہا کہ ......"

کسی خاص منصوبے کے تحت دینی اصول کو پامال کیا جارہا ہے۔ سارے اہل علم جانتے ہیں کہ رُوِيَ مجہول کا صیغہ ہے جو تمریض اور ضعف کی دلیل ہے۔ ایسی روایت سے ایک ممنوع کام کے لیے کسی صحابی کو آخر کیوں بدنام کیا جارہا ہے؟ اور پھر تماشا یہ ہے کہ امام مکی بن ابی طالب موتُ رسولِ الله ﷺ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور امام قرطبی بھی لکھتے ہیں کہ: لَمَّا مَاتَ النَّبِيُّ ﷺ. [تفسیر القرطبی ۵: ۲۶۰، بذیل تفسیر سورۃ النساء ۴: ۶۹]

نہیں معلوم کہ ان میں "وصال" کس لفظ کا ترجمہ ہے؟

---

(1) مکی بن ابی طالب حَمّوش بن محمد بن مختار اندلسی قیسی ابو محمد۔ تفسیر اور عربیت کے ماہر عالم تھے۔ ۳۵۵ھ = ۹۶۶ء کو قیروان میں پیدا ہوئے۔ مشرق کے بعض ملکوں کے چکر کاٹ کر واپس آ گئے۔ وہاں درس و تدریس جاری کیا۔ ۳۹۳ھ کو قرطبہ میں سکونت اختیار کی۔ جامع قرطبہ میں خطابت اور تدریس کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ قرطبہ ہی میں ۴۳۷ھ = ۱۰۴۵ء کو وفات پائی۔ قرآنی علوم میں بحر ناپید کنار تھے اور اس بارے میں راسخین فی العلم کے مرتبے پر فائز تھے۔

[معجم الادباء ۱۹: ۱۶۷، ترجمہ: ۵۵، وفیات الاعیان ۵: ۲۷۴، ترجمہ: ۷۳۷، الاعلام ۷: ۲۸۶]

تیسری: یہ روایت سب سے پہلے مقاتل بن سلیمان (۱) نے اپنی تفسیر ۱: ۳۸۷-۳۸۸ میں بغیر کسی سند کے نقل کی ہے اور یہ بات خود فی نفسہ غلط ہے کہ دین سے متعلق کوئی بات بغیر کسی سند اور حجت و برہان کے لکھ دی جائے اور اُس سے بڑی غلطی یہ ہے کہ کسی بن باپ قول کو نقل کر کے اُس کی بنیاد پر محبت رسول اللہ ﷺ جیسے شرعی عمل کی ترغیب دی جائے۔ یہ روایت اس لیے بھی شدید ضعیف ہے کہ مقاتل ایک مفسر اور محدث ہونے کے باوجود اس بات کے اہل نہیں کہ اُن کی روایات سے استدلال کی جائے اس لیے کہ مقاتل بن سلیمان کے بارے میں امام دار قطنی فرماتے ہیں: جھوٹ بولتا تھا۔ [الضعفاء والمتروکین، ترجمہ: ۵۲۷]
امام وکیع (۲) فرماتے ہیں: مقاتل کذاب ہے۔ [میزان الاعتدال ۴: ۱۷۳، ترجمہ: ۸۷۴۱]
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: محدثین اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اس سے روایت لینی ترک کی ہے اور اس پر مجسمہ ہونے کا الزام بھی ہے۔ تقریب التہذیب: ۴: ۵۷۴، ترجمہ: ۶۸۶۸]

اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ

---

(۱) مقاتل بن سلیمان بن بشیر ازدی، خراسانی بلخی۔ کنیت ابوالحسن تھی۔ محدث اور مفسر قرآن تھے۔ بلخ میں پیدا ہوئے اور مرو، بغداد اور بصرہ میں سکونت پذیر رہے۔ ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء کو بصرہ میں وفات پائی۔ کچھ عرصہ بیروت میں ان کے قیام کا ذکر ملتا ہے ان کی زندگی کے حالات کے متعلق کچھ زیادہ معلوم نہیں۔ ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء کو وفات پائی۔ [تہذیب الکمال ۲۸: ۴۳۹، الاعلام ۷: ۲۸۱]

(۲) وکیع بن الجراح بن ملیح الرواسی، ابوسفیان، ثقہ حافظ حدیث تھے۔ اپنے زمانے میں محدثِ عراق تھے۔ ۱۲۹ھ = ۷۴۶ء کو کوفہ میں پیدا ہوئے جہاں اُن کے والد بیت المال کے ناظر تھے۔ فقہ اور حدیث کے علوم حاصل کیے۔ خوب شہرت کمائی۔ ہارون الرشید نے انہیں کوفہ کے قضاء کا عہدہ پیش کیا مگر اُنہوں نے ازراہِ تقویٰ قبول کرنے سے انکار کیا۔ صائم الدہر تھے۔ ۱۹۷ھ = ۸۱۲ء کو حج واپسی کے دوران مقام فید میں وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۹: ۱۴۰، الاعلام ۸: ۱۱۷]

علقمہ کی روح نہیں نکلی جب تک اُس کی ماں نے اسے معاف نہیں کیا

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں علقمہ نامی ایک نوجوان تھا، اُس پر موت کے آثار نمودار ہوئے مگر کافی وقت گزر جانے کے بعد بھی اُس کی روح نہ نکل سکی اور وہ مسلسل تکلیف میں مبتلا رہا۔ ایک صحابی نے اُس کی یہ حالت دیکھی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور علقمہ کے بارے میں اُنہیں دیا کہ اُس کی روح نہیں نکلتی اور کوشش کے باوجود وہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللہ کہنے کی سکت بھی نہیں رکھتا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا وہ اس سے پہلے کلمہ طیبہ نہیں پڑھتا تھا؟ اُنہیں جواب ملا کہ وہ مسلمان تھا لیکن اپنی والدہ کا نافرمان تھا اور اپنی بیوی کو اپنی ماں پر ترجیح دیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس کی والدہ کو بلا بھیجا اور اُس سے اُس کے بیٹے کی معافی کی سفارش کی جس پر وہ راضی ہو گئیں اور اُسی وقت اُس کے بیٹے نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

امام احمد کے فرزند امام ابو عبد الرحمٰن نے اس قسم کی ایک اور روایت نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

لَمْ یُحَدِّثُنَا أَبِي بِهٰذَیْنِ الْحَدِیْثَیْنِ، ضَرَبَ عَلَیْهِمَا مِنْ کِتَابِهٖ، لِأَنَّهٗ لَمْ یَرْضِ حَدِیْثَ فَائِدَ بْنَ عبد الرحمٰن، أَوْ کَانَ عِنْدَهٗ متروكَ الْحَدِیْثِ.

[مسند احمد ۴: ۳۸۲؛ طبع قدیم؛ ۳۲: ۱۵۵؛ تحقیق: شعیب ارنو وط]

"ہمارے والد [امام احمد] نے ان دونوں کی روایت نہیں کی۔ اپنی کتاب سے ان دونوں کو نکال دیا اس لیے کہ وہ فائد بن عبد الرحمٰن کی روایت سے راضی نہیں تھے یا مذکور راوی اُن کے نزدیک متروک الحدیث تھا۔"

فائد بن عبدالرحمٰن ابوالورقاء منکر الحدیث اور متروک الحدیث تھا۔ امام عقیلی نے زیر بحث روایت اس کے مناکیر میں مثال کے طور پر پیش کی ہے۔

[الضعفاء الکبیر ۵:۱۰۵' بذیل ترجمہ: ۱۵۲۲' روایت: ۴۹۴۲/ ۷]

امام بیہقی نے اسے نقل کر کے لکھا ہے: فائد ابوالورقاء اس کو نقل کرنے میں متفرد ہے اور یہ قوی راوی نہیں۔ [شعب الایمان ۶:۱۹۸' بذیل روایت: ۷۸۹۲]

عمر، زمین میں تیرے احکام وحدود نافذ کیے ہوئے ہے۔

یہ بات زدخواص وعوام ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک حافظ قرآن بیٹے تھے جن کا نام اُسامہ تھا اور کنیت ابوشحمہ تھی۔ایک عورت نے اُس پر زنا کا دعویٰ کیا اور ایک بچہ برسرا جلاس سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے روبرو رکھ دیا۔ثبوت زنا ہونے پر آپ نے اُس کے درے لگائے۔ابھی دُرّے پورے نہ ہونے پائے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔آپ نے بقیہ دُرّے اُن کی لاش کو لگوائے اور اُن سے کہا کہ جب اپنے رب سے ملاقات ہو تو اُسے کہو کہ عمر زمین میں تیرے احکام وحدود نافذ کیے ہوئے ہے۔رات کو خواب میں اُسامہ کو دیکھا کہ جنت میں ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہیں اور اپنے والد کو دعائیں دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حد اُس کے اوپر جاری کر کے اُسے آخرت کے عذاب سے نجات دلادی۔

حافظ سیوطی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: موضوعٌ، وضعه القصاص، وفي الإسناد مَن هو مجهولٌ. [اللآلی المصنوعۃ ۲:۱۶۵]

''یہ موضوع ہے، اسے قصہ گو واعظین نے وضع کیا ہے اور اس میں کئی مجہول راوی ہیں۔''

آگے لکھتے ہیں: ليس بصحيحٍ...... وعبدالقدوس كذابٌ يضع، وصفوان بينه وبين عمر رضی اللہ عنہ رجال. [اللآلی المصنوعۃ ۲:۱۶۷]

''یہ روایت صحیح نہیں ہے، اس کی سند میں عبدالقدوس ہے جو کذاب تھا اور احادیث وضع کیا کرتا تھا پھر اس کے راوی صفوان اور عمر رضی اللہ عنہ کے مابین کئی سال ہیں اور یہی راوی درمیان کے راوی بیان نہیں کرتا کہ کون تھے۔''

مولا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں: محدثین نے اس روایت کو باطل اور موضوع کہا ہے۔[بوادرالنوادر:۳۲۹]

غزوۂ یمامہ میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ ''یا محمداہ'' تھا؟

امام ابن جریر لکھتے ہیں: مجھے السِّرِّي نے شعیب از سیف از ضحاک بن یربوع از والد اُو بنو سُحَیم کے ایک ایسے شخص سے یہ بات لکھ دی جو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ یمامہ میں شریک تھے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اُس روز کہا:

أنا ابنُ الوليد العود؛أنا ابن عامروزيد؛و نادى بشِعارهم يومئذٍ؛و كان شعارهم يومئذٍ:يا مُحَمَّدَاه!فجعلَ لا يبرُزُ له أحَدٌ إلّا قتَلَهٗ.

[تاریخ الطبری ۲: ۵۱۳،واقعات: ۱۱ھ،البدایۃ والنہایۃ ۶: ۳۰۸]

''میں ابن الولید العود ہوں۔ میں عامر اور زید کا بیٹا ہوں۔ پھر اُنہوں نے مسلمانوں کے شعار کے ساتھ پکارا۔ اُس دن اُن کا شعار [جنگی نعرہ] یامُحَمَّدَاہ! تھا۔ اس کے بعد جو بھی اُن کے سامنے آیا، وہ قتل ہوا۔''

یہ کہانی من گھڑت اور موضوع ہے اس لیے کہ:

–اس کا ایک راوی شعیب بن ابراہیم ہے جو مجہول ہے۔

[میزان الاعتدال ۲: ۲۷۵،ترجمہ: ۳۷۰۴]

–اس کا ایک راوی سیف بن عمر الضبي ہے جس کے متعلق امام حاکم لکھتے ہیں: زندیق تھا اور احادیث کے سلسلے میں ساقط الاعتبار تھا۔[المدخل الی الصحیح ۱: ۱۵۹،ترجمہ: ۷۷]

امام ابن حبان فرماتے ہیں: موضوع روایات بیان کرتا ہے۔[المجروحین ۱: ۴۳۹،ترجمہ: ۴۳۷]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: سیف بن عمر،واقدی کی طرح [ضعیف] ہے۔

[میزان الاعتدال ۲: ۲۵۵]

حافظ ذہبی یہ بھی لکھتے ہیں: سیف بن عمر بالاتفاق متروک ہے۔ زندقہ سے بدنام ہے اور موضوع روایات نقل کرتا ہے۔[المغنی فی الضعفاء ۱: ۶۰۴'ترجمہ: ۲۷۱۶]

سوال: حافظ ابن حجر عسقلانی نے سیف بن عمر کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ضَعيفُ الحديثِ، عُمدَةٌ في التَّارِيخِ.[تقریب التہذیب: ۳۴۰'ترجمہ: ۲۷۳۹]

''حدیث میں ضعیف ہے لیکن تاریخ میں اچھا ہے۔''

جواب: حافظ ابن حجر کا یہ قول جمہور کے خلاف ہے اس لیے قابلِ تقلید نہیں' نیز یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو شخص احادیثِ نبوی کو نقل کرنے میں احتیاط اور پرواہ نہیں کرتا، وہ تاریخ میں کیسے عمدہ ہو سکتا ہے؟

-اس کا ایک راوی ضحاک بن یربوع ہے جس کی کسی معتبر محدث نے توثیق نہیں کی۔

-اس کا ایک راوی یربوع ہے، جو مجہول ہے۔

-یربوع اسے رَجُلٌ مِن بَنِي سُحَيم نقل کرتا ہے اور یہ بھی مجہول ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ کہانی بالکل موضوع و من گھڑت ہے اور موضوع و من گھڑت روایت کو بیان کرنا بالاتفاق ممنوع و حرام ہے چہ جائے کہ اُس سے کوئی مسئلہ اَخذ کیا جا سکے!!

غیبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (۱) ایک روایت کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ''غیبت اور جھوٹ سے تو بہت ہی احتراز ضروری ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ روزہ میں اس شدت سے بھوک لگی کہ نا قابل برداشت بن گئی۔ ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں۔ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں قے کرنے کا حکم فرمایا۔ دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے حق تعالٰی کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں''۔ [فضائل رمضان: ۲۷]

اس روایت کی سند اور اس کے الفاظ یہ ہیں: حدثنا يزيد، أخبرنا سليمانُ و ابنُ عدي، عن سليمان المعنَى، عن رجل حَدَّثَهُم في مجلس عثمان النهدي . قال ابن عدي: عن شيخٍ في مجلس أبي عثمان عن عبيد مولى رسول الله ﷺ:

أن امرأتين صامتا و إن رجلا قال: يارسول الله! إن ههنا امرأتين قد صامتا و أنهما قد كادتا أن تموتا من العطش، فأعرض عنه أو سكت، ثم عاد، و أراه قال: بالهاجرة

(۱) محمد زکریا بن مولانا محمد یحیٰی۔ کاندھلہ میں ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے چچا مولانا محمد الیاس سے قریباً تمام علوم اسلامیہ میں کسب فیض کیا۔ علوم حدیث اپنے والد سے پڑھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہوئے۔ ایک درجن سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ۱۹۷۶ء میں وفات پائی۔ [انسائیکلوپیڈیا مسلم شخصیات: ۵۵۹]

قال: يانبي الله! إنهما و الله قد ماتتا أو كادتا أن تموتا ' قال: أدعهما ' قال: فجاء تا قال: فجيئى بقدحٍ أو عسٍ 'فقال لأحدهما قيئي 'فقاء ت قيحًا أو دمًا و صيدًا و لحمًا حتى قاء ت نصف القدح ' ثم قال للأخرَى قيئى ' فقاء ت من قيحٍ و دمٍ و صيدٍ و لحمٍ عبيطٍ و غيره حتى ملأت القدح ' ثم قال: إن هاتين صامتا عما أحل الله و أفطرتا على ما حرم الله عز و جل عليهما' جلست إحداهما إلى الأخرى فجعلتا يأكلان لحوم الناس. [مسند احمد ۳۹:۵۹' حدیث: ۲۳۶۵۳' مسند ابی یعلیٰ ۳:۱۴۶' حدیث: ۱۵۷۶' دلائل النبوۃ' بیہقی ۶:۱۸۶-۱۸۷' احیاء علوم الدین ۳:۱۴۳]

غیبت کے حرام اور کبیرہ گناہ ہونے میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ. [سورۃ الحجرات ۴۹:۱۲]

''اور تم میں سے کوئی ایک، دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی ایک اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے!''

مگر یہ روایت شدید ضعیف اور قطعاً نا قابل استدلال واحتجاج ہے اس لیے کہ اس کا ایک راوی مجہول العین ہے، اس کا نام تک سند میں مذکور نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ راوی ثقہ تھا یا ضعیف وکذاب ووضاع۔ معلوم نہیں کہ اس روایت سے بعض علماء نے یہ استدلال کیوں اور کیسے فرمایا ہے کہ غیبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

اس روایت کو حافظ ابو یعلی موصلی نے سلیمان تیمی کے استاذ [عن رجل] کو حذف کر کے عبید سے براہ راست اپنی مسند ۳:۱۴۷' حدیث: ۱۵۷۶ میں نقل کی ہے لیکن یہ سند بھی منقطع ہونے کے باعث ضعیف ہے۔

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں: سلیمان نے عبید سے روایت نہیں سنی بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک نامعلوم راوی [رجلٌ] بھی ہے۔

[اسد الغابۃ ۳:۲۸۴' بذیل ترجمہ عبید مولیٰ رسول اللہ ﷺ [۳۴۹۶]]

ابوداودطیالسی [1] نے اپنی مسند: ۲۸۲،حدیث: ۲۱۰۷ میں اس روایت کو یزید بن اَبان رقاشی از سیدنا انس ﷺ مرفوعاً نقل کی ہے مگر امام نسائی کی تصریح کے مطابق یزید بن اَبان متروک ہے۔[الضعفاء والمتروکین، ترجمہ:۵۹۳]

امام ابن حبان فرماتے ہیں: یزید بن ابان شب زندہ داراور نیک آدمی تھے مگر حدیث سے قطعاًناواقف تھے اس لیے ان کی روایت لیس بشیئ ہوتی ہے۔

[المجروحین ۲: ۴۴۸-۴۴۹، ترجمہ: ۱۱۷۳]

امام احمد فرماتے ہیں: منکرالحدیث تھے، جب کہ امام ابوحاتم رازی فرماتے ہیں: ان کی وہ روایتیں محل نظر ہوتی ہیں جو سیدنا انس ﷺ کی سند سے منقول ہوں، پرہیزگار آدمی تھے لیکن ان کی روایتیں موضوع و من گھڑت ہوتی ہیں۔[الجرح والتعدیل ۹: ۲۵۲، ترجمہ: ۱۰۵۳]

حافظ زیلعی لکھتے ہیں: ورد في ذلك أحاديث كلها مدخولةٌ.

[نصب الرایہ ۲: ۴۸۲، حدیث: ۳۸۶۷]

''غیبت کرنے سے روزہ فاسد ہو جانے کے متعلق کئی احادیث مروی ہیں، جو سب کے سب بناوٹی اور موضوع ہیں۔''

(۱) سلیمان بن داود بن الجارود مولیٰ قریش ابوداودطیالسی، ۱۳۳ھ = ۷۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ فارسی الاصل ہیں۔ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ بصرہ میں سکونت تھی اور وہیں ۲۰۴ھ = ۸۱۹ء کو وفات پائی۔ کہا کرتے تھے کہ اللہ کے فضل سے میں تیس ہزار احادیث زبانی سنا سکتا ہوں۔

[تاریخ بغداد ۹: ۲۴، الاعلام ۳: ۱۲۵]

کاش! میں مینڈھا ہوتا

مولانا محمد نعمان صاحب نے ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خوفِ خدا'' کے عنوان کے تحت حافظ ابونعیم کی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

يٰلَيْتَنِي كُنْتُ كَبَشَ أَهْلِي، يُسَمِّنُوْنِي مَا بَدَا لَهُمْ، حَتّٰى إِذَا كُنْتُ أَسْمَنَ مَا أَكُوْنُ، زَارَهُمْ بَعْضُ مَنْ يُحِبُّوْنَ ، فَجَعَلُوْا بَعْضِي شِوَاءً ، وَ بَعْضِي قَدِيْدًا ، ثُمَّ أَكَلُوْنِي فَأَخْرَجُوْنِي عَذِرَةً، وَلَمْ أَكُ بَشَرًا. [حلیۃ الاولیاء ١:٥٢]

''کاش میں اپنے گھر والوں کا مینڈھا ہوتا۔ وہ ایک عرصہ تک مجھے کھلا پلا کر خوب موٹا تازہ کرتے حتیٰ کہ جب میں خوب فربہ ہو جاتا تو گھر والوں کے کچھ محبوب مہمان آجاتے اور پھر میرا کچھ حصہ بھون لیا جاتا اور کچھ حصے کا سالن بنا کر کھا لیا جاتا، پھر مجھے وہ کھاتے اور مجھے پاخانہ کر کے نکال لیتے اور میں انسان نہ ہوتا۔'' [سلف صالحین کے ایمان افروز واقعات: ٨٥]

کاش! مولانا صاحب بصیرت سے کام لیتے۔ اس سے تو صاف صاف رِفض کی بو آ رہی ہے۔ یا کم از کم اس کی سند سے بحث کرتے تو اُن جانے میں اسلام کے بطلِ جلیل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پاخانہ کے راستے پیٹ سے نکال کر انسانیت سے تو نہ نکالتے۔ مولانا صاحب نے بے جا طور پر کتاب کے ٹائٹل پر ''مستند احادیث'' کا ٹھپہ لگا کر اِس بے ہودہ کہانی کو مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شائع کر دیا ہے۔ اس پر سوائے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟؟

اس روایت کی سند یہ ہے: عبداللہ بن محمد بن جعفر، ثنا عبدالرحمٰن بن مسلم، ثنا ہناد، ثنا ابومعاویہ عن جویبر، عن الضحاک، قال: قال عمر رضی اللہ عنہ۔ [کتاب الزہد ہناد بن السری الکوفی ١: ٢٥٨، باب من

قال: لیتنی لم اخلق [۴۸] بذیل روایت: ۴۴۹-۲ حلیۃ الاولیاء ۱: ۵۲]

یہ روایت شدید ضعیف ہے اس لیے کہ:

- اس کا ایک راوی جویبر بن سعید ابوالقاسم ازدی بلخی مفسر، صاحبُ ضحاک ہے، جس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں: لیس بشيء تھا۔ امام نسائی اور امام دار قطنی اسے متروک الحدیث کہتے ہیں۔ [میزان الاعتدال ۱: ۴۲۷ ترجمہ: ۱۵۹۳]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: شدید ضعیف تھا۔ [تقریب التھذیب: ۱۴۳ ترجمہ: ۹۹۴]

- اس کا ایک راوی ضحاک بن مزاحم ہلالی ہے جو صدوق اور کثیر الارسال تھا۔
[تقریب التھذیب: ۳۶۸ ترجمہ: ۲۹۹۵]

- ضحاک بن مزاحم نے مزاحم نے سیدنا عمر بن خطاب ﷛ سے کوئی روایت نہیں سنی، جیسا کہ حافظ مزی (۱) لکھتے ہیں: لَمْ یثبت له سماعٌ من أحدٍ من الصَّحابةِ.
[تہذیب الکمال ۱۳: ۲۹۲ ترجمہ: ۲۹۲۸-۴]

"کسی بھی صحابی سے ضحاک کی سماع ثابت نہیں۔"

اس لیے یہ روایت منقطع بھی ہوئی۔

---

(۱) حافظ مِزّی [بکسر المیم و تشدید الزای] یوسف بن عبد الرحمٰن بن یوسف، ابوالحجاج، قضاعی، کلبی، مزی، محدث دیار شام۔ ۶۵۴ھ = ۱۲۵۶ کو حلب میں پیدا ہوئے اور دمشق کے ایک گاؤں مِزّہ میں پلے بڑھے۔ دمشق میں ۷۴۲ھ = ۱۳۴۱ء کو وفات پائی۔ لغت، حدیث اور اسماء رجال کے بہت بڑے عالم تھے۔ [الدرر الکامنۃ ۴: ۴۵۷، الاعلام ۸: ۲۳۷]

کلمہ طیبہ پڑھنے والی ہرن

سیدنا زید بن ارقم ﷺ [1] فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ کسی دیہاتی نے ایک ہرن کو جنگل سے پکڑ کر باندھ رکھا تھا۔ ہرن نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو آپ سے شکوہ کیا کہ یہ دیہاتی مجھے جنگل سے اُٹھا کر لایا ہے۔ میرے تھنوں میں کافی دودھ بھرا ہے جس کا بوجھ میں نہیں اُٹھا سکتی۔ آپ مجھے آزاد کروائیں کہ میں اپنے بچوں کے پاس جا کر اُنہیں دودھ پلاؤں اسی طرح میرا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس سے پوچھا: اگر میں تجھے چھوڑ دوں تو کیا تو اکیلی جائے گی؟ اُس نے کہا: ہاں چلی جاؤں گی، اسی دوران وہ دیہاتی بھی آ گیا جس نے اُسے باندھ رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس سے کہا: کیا اِس ہرن کو بیچو گے؟ اُس نے کہا: اللہ کے رسول! یہ آپ کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس ہرن کو آزاد کیا۔

سیدنا زید بن ارقم ﷺ کہتے ہیں: فَأَنَا وَاللّٰهِ رَأَيْتُهَا تَسِيْحُ فِي الْبَرِيَّةِ وَتَقُوْلُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

”اللہ کی قسم! میں نے اُسے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے ہوئے جنگل کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا۔“

[تلخیص المتشابہ فی الرسم ۲: ۳۰۷، دلائل النبوۃ، ابو نعیم اصبہانی: ۶: ۳۷، روایت: ۲۷۴، دلائل النبوۃ،

---

(۱) زید بن ارقم بن زید بن قیس بن نعمان، خزرجی، انصاری ﷺ، صحابی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سترہ غزوات میں شرکت کی۔ غزوہ اُحد میں بچوں میں واپس کیے گئے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ ﷺ کے ہاں پلے بڑھے اس لیے کہ یتیم ہو گئے تھے۔ جنگ صفین میں سیدنا علی ﷺ کی فوج میں تھے۔ ۶۸ ھ = ۶۸۷ء کو کوفہ میں وفات پائی۔ اُن سے ستر اَحادیث مروی ہیں۔

[اسد الغابۃ: ۲۲۲، ترجمہ: ۱۸۱۹، الاعلام ۳: ۵۶]

بیہقی ۶: ۳۵]

درج بالا کتابوں میں اس کہانی کی سند کچھ اس طرح درج ہے: یعلیٰ بن ابراہیم الغزال، از ہیثم بن حماد، از ابو کثیر از سیدنا زید بن ارقم ؓ۔

اس کہانی کے راوی یعلیٰ بن ابراہیم الغزال اور اُن کے استاذ ہیثم بن حماد کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ: لَا أعرفهٗ 'لَهٗ خَبَرٌ باطلٌ عن شَیْخٍ وَاهٍ.

[میزان الاعتدال ۴: ۴۵۶، ترجمہ: ۹۸۳۳]

''میں اسے نہیں جانتا۔ اس کی بیان کردہ ایک باطل خبر ہے جو اُس نے اپنے کمزور استاذ سے بیان کی ہے۔''

خطیب بغدادی نے ہیثم بن حماد کے بارے میں لکھا ہے کہ: الهيثم بن حماد في عداد المجهولين، يروي عن أبي كثير شيخ غير مسمّى. [تلخیص المتشابہ فی الرسم ۲: ۷۳۰]

''ہیثم بن حماد مجاہیل میں سے ہے۔ ابو کثیر سے روایتیں لیتا ہے جس کا نام معلوم نہیں۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ کہانی موضوع ہے۔ [لسان المیزان ۶: ۳۱۲، ترجمہ: ۱۲۲۴]

۞ اس قسم کی ایک روایت اس سند سے سیدنا ابو سعید خدری ؓ سے مروی ہے: علی بن قادم از ابو العلاء خالد بن طہمان، از عطیہ، از سیدنا ابو سعید خدری ؓ: رسول اللہ ﷺ ایک ہرنی کے پاس سے گزرے جو ایک خیمہ کے قریب باندھی ہوئی تھی، اُس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے آزاد کیجیے میں اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجاؤں گی۔ آپ مجھے پھر سے باندھ دیجیے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں کیسے آزاد کر سکتا ہوں جب تجھے کسی اور نے شکار کر کے باندھ رکھا ہے؟ اُس قسم کھا کر واپس آنے کا وعدہ کیا۔ آپ نے اسے آزاد کیا، وہ جا کر تھوڑی دیر بعد واپس لوٹ آئی۔ اب اُس کے تھنوں میں دودھ نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے باندھ لیا پھر آپ اُس خیمہ والے کے پاس گئے اور اُن سے یہ ہرنی مانگ لی؛ انہوں نے آپ کو ہبہ کی اور آپ نے اُسے آزاد کر کے چھوڑ دیا اور فرمایا:

لَوْعَلِمَتِ الْبَهَائِمُ مِنَ الْمَوْتِ مَا تَعْلَمُوْنَ مَا أَكَلْتُمْ مِّنْهَا سَمِيْنًا أَبَدًا.

[دلائل النبوۃ' بیہقی ۶:۳۴]

''تمہیں جس قدر موت کا علم ہے' اگر اُس قدر علم جانوروں کو بھی ہوتا تو تمہیں اُن میں کوئی موٹا اور فر...بہ جانور کھانے کو نہ ملتا۔''

یہ کہانی بھی من گھڑت ہے اس لیے کہ اس کا راوی عطیہ بن سعد بن جُنادہ عوفی جدلی ہے جو کثرت سے غلطیاں کرتا تھا اور شیعہ اور مدلس تھا۔ [تقریب التھذیب: ۵۶۴' ترجمہ: ۴۶۴۹]

عطیہ عوفی تدلیس الشیوخ (۱) کا مرتکب ہوا کرتا تھا۔ امام ابن حبان لکھتے ہیں: یہ کلبی کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا اور جب وہاں سے اٹھ کر اُس کی روایت سناتا تھا تو کلبی کا نام لیے بغیر اُس کی غیر معروف کنیت ابوسعید کے نام سے روایت سناتا تھا اور شاگرد اس سے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مراد لیتے' حالانکہ حقیقت کچھ اور ہوتی۔ [المجروحین ۲: ۱۶۷' ترجمہ: ۸۰۴]

یہاں بھی ''ابوسعید'' ہی سے نقل کرتے ہیں اور اُس کی یہ روایت معنعن ہے' پس جب تک اس کی تحدیث ثابت نہ ہو یہ روایت مردود تصور کی جائے گی' نہ کہ حسن۔

۞ اس قسم کی ایک روایت اس سند سے مروی ہے: حبان بن اغلب بن تمیم مسعودی' از والد او' از ہشام بن حسان' از حسن' از ضبۃ بن محصن از سیدہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا (۲)۔

---

(۱) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: هو أن يصف شيخه بمالم يشتهر به من إسم أو لقب أو كنيةٍ أو نسبة إيهامًا للتكثير غالباً وقد يفعل ذلك لضعف شيخه' وهو خيانة ممن تَعَمَّدَه.

[تعریف اہل التقدیس: ۲۶]

''تدلیس الشیوخ یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ کا ذکر غیر معروف نام' یا غیر معروف کنیت سے یا غیر معروف نسبت یا غیر معروف صفت سے کرے تا کہ لوگ اس کو پہچان نہ سکے کیونکہ وہ ضعیف یا معمولی درجے کا آدمی ہوتا ہے' جو کوئی قصداً اُس کا ارتکاب کرتا ہے وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔''

(۲) ہند بنت سہیل المعروف ابوامیہ [حذیفہ یا زاد الراکب] بن مغیرہ' قرشیہ' مخزومیہ' ام سلمہ' ام المؤمنین رضی اللہ عنہا۔ مکہ معظمہ میں ۲۸ قبل ہجری = ۵۹۶ء کو پیدا ہوئیں۔ قدیم الاسلام اور عقل و کمال کے......

آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحراء میں جارہے تھے کہ کسی نے یارسول اللہ کہہ کرآپ کوآواز دی۔آپ نے ادھرادھر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔پھر دیکھا تو ایک ہرنی بندھی ہوئی تھی۔

وہ بولی: اللہ کے رسول! میرے قریب آجائیے۔آپ اُس کے قریب ہوئے اور اُس سے پوچھا: کیابات ہے؟ اُس نے کہا: اُس سامنے پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں سوآپ مجھے آزاد کیجیے، تاکہ میں اُنہیں دودھ پلاؤں۔میرا وعدہ ہے کہ میں واپس آجاؤں گی۔آپ نے اُس سے پوچھا: تو وعدہ پورا کرے گی؟ اُس نے کہا کہ اگر میں واپس نہ آؤں تو مجھے اللہ تعالیٰ آگ کی عذاب دے۔آپ نے اُسے آزاد کیا۔وہ چلی گئی اور اپنے بچوں کودودھ پلاکر واپس آگئی۔اتنے میں اُس دیہاتی کواس ساری بات کاعلم ہوا۔وہ آپ کے پاس آیااور کہا: میرے لیے کیاحکم ہے؟ آپ نے فرمایا: اس ہرنی کوآزادکرو۔اُس نے اُسے آزاد کیا اور أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ کہتی ہوئی جنگل کی طرف چلی گئی۔

[المُعجَم الکبیر ۲۳: ۳۳۱-۳۳۲، روایت: ۷۶۳]

یہ روایت بھی شدید ضعیف ہے اس لیے کہ اس کی سند میں حبان بن اغلب بن تمیم مسعودی ہے جس کے بارے میں امام بخاری کہتے ہیں: منکر الحدیث تھا۔

[التاریخ الکبیر ۲: ۷۰، ترجمہ: ۱۷۲۰]

...... لحاظ سے مکمل ترین خاتون تھیں۔اپنے سابقہ شوہر سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد بن مغیرہ کی معیت میں حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی ہجرت کی۔سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔۴ ہجری کو رسول اکرم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔صلح حدیبیہ کے دوران اُن کے مشورہ سے رسول اللہ ﷺ نے اُن کے مشورہ سے قربانی کر کے اِحرام کھولا تھا۔لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔طویل عمر پائی۔اُن سے ۳۷۸ اَحادیث مروی ہیں۔۶۲ھ = ۶۸۱ء کو وفات پاگئیں۔[اسد الغابۃ: ۶۱۱۳، ترجمہ: ۷۴۷۵، الاعلام ۸: ۹۷]

کیا تمہیں بھی نظر نہیں آتا

ایک روز سیدہ اُمّ سلمہ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہما(۱) دونوں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ اچانک سیدنا عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ(۲) نابینا صحابی آ گئے۔ یہ واقعہ احکامِ حجاب کے نازل ہو جانے کے بعد پیش آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کو حکم دیا کہ اُن سے پردہ کرو۔ اُمّ سلمہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں، نہ ہمیں پہچانتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم تو نابینا نہیں ہو، تم تو اُن کو دیکھ رہی ہو۔

[سنن ابی داوٗد، کتاب اللباس [۲۶] باب فی قولہ: قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ [۳۷] حدیث: ۴۱۱۲، سنن ترمذی، کتاب الادب [۴۴] باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال [۲۹] حدیث: ۲۷۷۸، مسند احمد ۶: ۲۹۶، السنن الکبریٰ، نسائی ۷: ۹۲، صحیح ابن حِبّان ۷: ۴۳۹، حدیث: ۵۵۴۹]

---

(۱) میمونۃ بنت حارث بن حزن ہلالیۃ رضی اللہ عنہا، ام المؤمنین، رسول اکرم ﷺ کی آخری بیوی اور امہات المؤمنین میں سب سے آخر میں وفات پانے والی خاتون تھیں، اُن کا پہلا نام بَـرَّۃ تھا جسے رسول اکرم ﷺ نے میمونۃ سے بدل دیا۔ ہجرت سے قبل مکۃ المکرّمۃ میں اسلام پر بیعت کی۔ اُن کے پہلے شوہر کا نام ابورہم بن عبدالعزیٰ عامری تھا جس کے مرجانے کے بعد ۷ ہجری کو رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ ۸۰ سال کی عمر پائی۔ مکہ مکرمہ کے قریب ''سرف'' کے مقام پر۔ جہاں اُن کی شادی ہوئی تھی۔ ۵۱ھ = ۶۷۱ء کو وفات پا گئیں، اور وہیں دفن کی گئیں۔

[الاستیعاب: ۹۱۹، ترجمہ: ۶۶۵، الاعلام ۷: ۳۴۲]

(۲) عبداللہ ابن ام مکتوم: عمرو بن قیس بن زائدہ بن اصم رضی اللہ عنہ۔ شجاع صحابی تھے۔ مکۃ المکرّمۃ میں اسلام قبول کیا۔ قدیم الاسلام ہیں۔ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے مؤذن رہے ہیں۔ آپ کی غیر موجودگی میں کئی دفعہ مدینہ منورہ میں خلیفہ مقرر ہوئے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ جنگ قادسیہ میں شرکت کی۔ مدینہ منورہ میں ۲۳ھ = ۶۴۳ء کو وفات پائی۔ [الاستیعاب: ۷۴۳، ترجمہ: ۱۵۰۱، الاعلام ۵: ۸۳]

امام قرطبی فرماتے ہیں: اہل نقل کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کا راوی نبہان جو سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ناقابل احتجاج ہے۔

[تفسیر القرطبی ۱۲:۲۰۶-۲۰۷]

نبہان کی توثیق سوائے امام ابن حبان کے کسی اور نے نہیں کی ہے، لیکن امام ابن حبان کی یہ توثیق قابلِ قبول نہیں کیونکہ وہ اکثر مجہول راویوں کو ثقہ کہہ جاتے ہیں۔

[حاشیہ سیر أعلام النبلاء ۹:۴۵۵]

امام ترمذی اس روایت کو حسن کہتے ہیں، اس سلسلے میں عرض ہے کہ حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

لایعتمد العلماء علی تصحیح الترمذي. [میزان الاعتدال ۳:۴۰۷]

''علماء کرام امام ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔''

حافظ ذہبی نے یہ بھی فرمایا ہے: فلایغتر بتحسین الترمذي، فعند المُحاقَقَةِ غالبها ضعاف. [میزان الاعتدال ۴:۴۱۶]

''امام ترمذی کی تحسین پر دھوکہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ تحقیق کے بعد اُن کی اکثر حسن حدیثیں ضعیف ثابت ہوتی ہیں۔''

نیز یہ روایت اُس صحیح حدیث کے خلاف ہے کہ: ایک دفعہ عید کے دن حبشی نیزے ہلا ہلا کر پہلوانی کے کرتب دکھا رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ تماشہ دیکھنا چاہا تو نبی کریم ﷺ آگے اور وہ پیچھے کھڑی ہو گئیں اور جب تک وہ خود تھک کر نہ ہٹ گئیں آپ ﷺ برابر اوٹ کیے کھڑے رہے۔

[صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ [۸] باب اصحاب الحراب فی المسجد [۶۹] احادیث: ۴۵۴، ۴۵۵، کتاب العیدین [۱۳] باب الحراب والدرق یوم العید [۲] حدیث: ۹۵۰]

حافظ ابن حجر اس حدیث کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اُن دنوں پندرہ سولہ سال کی بالغہ تھیں، اور یہ واقعہ سن سات ہجری کا ہے اور نزول حجاب کے بعد

کا ہے۔[فتح الباری ۲:۴۴۵؛ ۹:۳۳۶، ۳۳۷]

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ ابتداءِ اسلام کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے، اسے نبہان والی روایت نے منسوخ کردیا ہے۔ حافظ ابن حجر اس کا جواب یوں دیتے ہیں:

رُدَّبأنَّ قولها يسترني بردائه دال على ذلك كان بعد نزول الحجاب.

[فتح الباری ۲:۴۴۵]

''یہ قول مردود ہے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کا قول کہ مجھے رسول اللہ ﷺ اپنی چادر سے ڈھانپے ہوئے تھے، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے۔''

حافظ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نقاب اوڑھ لیا کریں تا کہ غیر مرد انہیں نہ دیکھ سکیں، جب کہ مردوں کو منہ ڈھانپنے اور نقاب اوڑھنے کا حکم نہیں۔

[فتح الباری ۹:۳۳۷]

ماں کے پیٹ سے مختون پیدا ہونے والے انبیاء کے نام

ایک مولانا صاحب لکھتے ہیں:

''کعب بن احبار فرماتے ہیں کہ ماں کے پیٹ سے مختون پیدا ہونے والے پیغمبروں کی تعداد تیرہ ہے: سیدنا آدم علیہ السلام، سیدنا شیث علیہ السلام، سیدنا ادریس علیہ السلام، سیدنا نوح علیہ السلام، سام، سیدنا لوط علیہ السلام، سیدنا یوسف علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام، سیدنا شعیب علیہ السلام، سیدنا سلیمان علیہ السلام، سیدنا یحییٰ علیہ السلام، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ۔

[سلف صالحین کے ایمان افروز واقعات: ۷۰۹]

اس عبارت میں کئی تسامحات ہیں:

-اول: اس میں ایمان افروز کیا شے ہے؟ آج بھی کئی بچے مختون پیدا ہوتے ہیں۔

-دوم: کعب بن احبار نام کا کوئی عالم نہیں گزرا ہے، البتہ کعب بن ماتع حمیری ایک یہودی عالم تھے جنہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلام قبول کیا انہیں عام طور پر کعب الاحبار کہا جاتا ہے۔

-سوم: حافظ ابن الجوزی کی کتاب سے یہ عبارت اس طرح لکھی گئی ہے کہ:

حُدِّثْنَا عَنْ كعبِ الأحبار. [تلقیح فہوم اہل الاثر: ٦]

''ہمیں کعب الاحبار [کی سند] سے یہ روایت بیان کی گئی ہے۔''

اس ضعیف اور بے سند قول سے مؤلف کا دعویٰ کس بنیاد پر صحیح ثابت کیا جا سکتا ہے؟

-چہارم: اس فہرست میں سام بن نوح علیہ السلام کو بھی نبی کہا گیا ہے، حالانکہ سام کی نبوت ثابت نہیں۔

-پنجم: نبی اکرم ﷺ کے ختنہ کے بارے میں تین قول ہیں:
پہلا قول: آپ مختون و مسرور پیدا ہوئے اور امام حاکم کا دعویٰ ہے کہ آپ کے مختون و مسرور پیدا ہونے کے احادیث متواتر ہیں: قد تواترت الأخبار أن رسول اللہ ﷺ ولد مختونًا مسرورًا. [المستدرک ۲:۶۰۲' البدایۃ والنہایۃ ۲:۲۷۹' الخصائص الکبری ۱:۵۳]
لیکن حافظ ذہبی لکھتے ہیں: اِن ساری روایات پر جرح اور اِن میں کلام موجود ہے لہٰذا تواتر کا دعویٰ نادرست ہے۔[تلخیص المستدرک ۲:۶۰۲' میزان الاعتدال ۳:۶۰۸]
۞ اس قسم کی ایک روایت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب سے اِن الفاظ میں مروی ہے کہ: وُلِدَ رسول اللہ ﷺ مسرورًا مختونًا. [عیون الاثر ۱:۸۷' الخصائص الکبری ۱:۵۳]
لیکن یہ روایت شدید ضعیف بلکہ موضوع ہے اس لیے کہ:
-۱: اس کا ایک راوی جعفر بن عبد الواحد ہاشمی قاضی ہے' جس کے بارے میں امام دار قطنی فرماتے ہیں: احادیث وضع کیا کرتا تھا۔[الضعفاء والمتروکین' ترجمہ:۱۴۴]
امام ابن حبان لکھتے ہیں: احادیث کا سرقہ اور روایات میں ہیر پھیر کیا کرتا تھا۔
[المجروحین ۱:۲۵۳' ترجمہ:۱۸۸]
حافظ ابن عدی فرماتے ہیں: ثقہ راویوں کے نام سے منکر روایات نقل کرتا اور احادیث کی چوری کرتا ہے' اور پھر اس کی باطل روایات میں زیرِ بحث روایت بھی لکھی ہے۔
[الکامل فی ضعفاء الرجال ۲:۳۹۶-۳۹۹' ترجمہ:۲۲-[۳۴۷]' میزان الاعتدال ۱:۴۱۳' ترجمہ: ۱۵۱۱' لسان المیزان ۲:۱۱۸' ترجمہ:۴۸۸]
-۲: اس کا راوی ابن جریج [عبد الملک بن عبد العزیز] مدلس ہے اور مجروح راویوں کے ناموں میں تدلیس کرتا ہے۔
[تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس:۹۵' ترجمہ:۸۳-[۱۷]
اور اُس کی یہ روایت "معنعن" ہے' اس لیے بالاتفاق مردود ہے۔

اس قسم کی ایک روایت سیدنا عباس ؓ بن عبدالمطلب اِس طرح مروی ہے کہ:

وُلِدَ رسول الله ﷺ مختوناً مسروراً. [البدایۃ والنہایۃ ۲:۲۷۸]

اس کے بارے میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وهذا الحديث في صحته نظر. [البدایۃ والنہایۃ ۲:۲۷۸]

''اس حدیث کے صحیح ہونے میں کلام ہے۔''

وجہ اس کی یہ ہے کہ:

- اس کا ایک راوی سلیمان بن سلمہ خبائری ابوسلمہ حمصی ہے جو متروک الحدیث اور جھوٹا تھا۔

[میزان الاعتدال ۲:۲۰۹' ترجمہ: ۳۴۷۲]

- اس کا ایک راوی عکرمہ بربری ہے جس کے بارے میں کچھ محدثین کی رائے تو اچھی ہے مگر حافظ ذہبی نے سیدنا ابن عباس ؓ کے فرزند کے حوالے سے لکھا ہے اُن کے والد کو منسوب کر کے جھوٹی روایات بیان کرتا تھا۔ [میزان الاعتدال ۳:۹۴' ترجمہ: ۵۷۱۶]

اس قسم کی ایک روایت سیدنا انس ؓ سے اِن الفاظ میں منقول ہے:

مِن كرامتي على الله أني ولدتُّ مختوناً ولم يَرَ سوأتي أحداً.

[دلائل النبوۃ' ابونُعیم: ۱۵۴' حدیث: ۹۱' تاریخ بغداد ۱:۳۲۹' معجم صغیر' طبرانی ۲:۵۹' معجم اوسط ۴:۳۳۲' حدیث: ۶۱۴۸' البدایۃ والنہایۃ ۲:۲۷۸-۲۷۹ بحوالہ ابن عساکر]

''میرے رب نے مجھے یہ عزت عطا کی ہے کہ میں مختون پیدا ہوا ہوں اور میری شرم گاہ کسی نے نہیں دیکھی ہے۔''

اس کا راوی سفیان بن محمد فزاری مصیصی ہے جو سارق حدیث تھا اور مسروقہ روایات کے لیے اسانید وضع کیا کرتا تھا۔ حافظ ذہبی نے اُس کی یہ روایت اسی سلسلے میں پیش کی ہے۔

[میزان الاعتدال ۲:۱۷۲' ترجمہ: ۳۳۲۹]

ابونعیم کی سند میں اگرچہ سلیمان بن محمد فزاری موجود نہیں لیکن اس کی سند میں نوح بن محمد ایلی

نامی راوی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے انہیں ثقہ کہا ہو: لم أرَ مَن وثّقه. [لسان المیزان ۶: ۱۷۵، ترجمہ: ۶۱۴]

یہ بھی یاد رہے کہ اگر آپ کا مختون ومسرور پیدا ثابت بھی ہو جائے تو اِس میں:

لیس هذا من خواصه، فإن كثيرًا من الناس يُولَدُ مختونًا. [زادالمعاد ۱: ۸۱]

"پھر بھی آپ کی خصوصیت نہیں پائی جاتی اس لیے کہ بہت سے لوگ مختون پیدا ہوتے رہتے ہیں۔"

۞ مختون اور مسرور دونوں اسم مفعول کے صیغے ہیں جن کے معنی بالترتیب یہ ہیں: جس کا ختنہ کیا گیا ہو اور جس کی نال کاٹ دی گئی ہو: ومعنی مختونًا أي: مقطوع الختان، ومسرورًا أي: مقطوع السرة من بطن أمه. [البدایة والنہایة ۲: ۲۷۹]

دوسرا قول: سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا (۱) کے یہاں سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی ختنہ اُس وقت کی جب کہ آپ اُن کے دل کی تطہیر وصفائی کر رہے تھے۔

[معجم اوسط، طبرانی ۴: ۲۳۲، حدیث: ۵۸۲۱، البدایة والنہایة ۲: ۲۷۹ بحوالہ ابن عساکر]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ روایت شدید ضعیف ہے۔ [البدایة والنہایة ۲: ۲۷۹]

اس کی وجہ یہ ہے کہ:

---

(۱) حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ: سیدہ حلیمہ رسول اکرم ﷺ کی نبوت سے پہلے وفات کر گئیں لیکن مؤرخین کے بیان کے مطابق اُن کا یہ قول نادرست ہے۔ حافظ ابن ابی خیثمہ احمد بن زُہیر بن حرب، المتوفی: ۲۷۹ھ] نے "تاریخ" میں، حافظ ابن الجوزی عبدالرحمٰن بن علی، المتوفی: ۵۹۷ھ نے "حداء" میں حافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی، مُنذِری، المتوفی: ۶۵۶ھ] نے "مختصر سنن ابی داؤد" میں اور حافظ ابن حجر احمد بن علی بن حجر عسقلانی، المتوفی: ۸۵۲ھ نے "الاصابۃ" میں اُن کے اسلام قبول کرنے کی تصریح کی ہے اور حافظ مغلطائی بن قلیج مصری حنفی، المتوفی: ۷۶۲ھ نے اُن کے قبول اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام التُّحفَةُ الجَسِيمَةُ في إثباتِ إسلامِ حليمة ہے۔

[سیرت النبی ﷺ از شبلی نعمانی، وسید سلیمان ندوی ۱: ۱۱۰]

-اس کا ایک راوی علی بن محمد مدائنی مؤرخ احادیث کے معاملے میں قوی نہیں ہے۔

[میزان الاعتدال ۳:۱۵۳' ترجمہ:۵۹۲۱]

-ایک اور راوی سلمہ بن محارب ہے جس کا اسماء الرجال کی کتابوں میں کوئی اتا پتا نہیں کہ ثقہ تھیا غیر ثقہ۔

-ایک اور راوی مسلم بن زیاد ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: اُس نے گردن کی مسح کے بارے میں موضوع حدیث نقل کی ہے۔[میزان الاعتدال ۴:۱۰۳' ترجمہ:۸۴۸۶]

تیسرا قول: آپ کے دادا نے ولادت کے ساتویں روز عقیقہ کی تقریب میں آپ کا نام محمد [ﷺ] تجویز کیا اور آپ کی ختنہ کرائی اور قریش کو اس کی خوشی میں کھانا کھانے کی دعوت دی۔

[زاد المعاد ۱:۸۱' البدایۃ والنہایۃ ۲:۲۷۹' فتح الباری ۷:۱۶۳]

مجھے قرآن یاد نہیں رہتا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ قرآن مجید میرے سینے سے نکل جاتا ہے جو یاد کرتا ہوں وہ محفوظ نہیں رہتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تجھے ایسی ترکیب بتلاؤں جو تجھے بھی نفع دے اور جس کو تو بتلاوے اُس کے لیے بھی نافع ہو اور جو کچھ تو سیکھے وہ محفوظ رہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب جمعہ کی شب ہو تو اگر یہ ہو سکتا ہو کہ رات کے اخیر تہائی حصہ میں اُٹھے تو یہ بہت ہی اچھا ہے کہ یہ وقت ملائکہ کے نازل ہونے کا ہے اور دعاء اس وقت میں خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔ اسی وقت کے انتظار میں سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا: سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي. ''عن قریب میں تمہارے لیے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا۔'' یعنی جمعہ کی رات کو پس اگر اُس وقت میں جاگنا دشوار ہو تو آدھی رات کے وقت اور یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر شروع رات ہی میں کھڑا ہو اور چار رکعت نفل اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ یٰس پڑھے۔ دوسری رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الدخان پڑھے، تیسری رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الٓمٓ السجدۃ اور چوتھی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الملک پڑھے۔ اور جب التحیات سے فارغ ہو جائے تو اول اللہ تعالیٰ کی خوب حمد و ثناء کر، اس کے بعد مجھ پر درود اور سلام بھیج، اس کے بعد تمام مؤمنین کے لیے اور ان تمام مسلمان بھائیوں کے لیے جو تجھ سے پہلے مر چکے ہیں استغفار کرو اور اس کے بعد یہ دعاء پڑھو:

أَللّٰهُمَّ ارحمني بتركِ المعاصي أبداً ما أبقيتني، وارحمني أن أتكلَّفَ ما لا يعنيني، و

ارزقني حسن النظر فيما يُرضيك عني 'اَللّٰهُمَّ بديعَ السماوات والأرض ذَا الجلال و الإكرام والعزَّةِ التي لا تُرَامُ ' أسألك يا ألله يا رحمنُ بجلالك و نور وجهك أن تُلزِمَ قلبي حِفظَ كتابك كما عَلَّمتَنِي 'وارزقني أن أقرأه على النحو الذي يُرضِيك عَنّي ' اَللّٰهُمَّ بديعَ السماوات والأرضِ ذَا الجلال و الإكرام و العزَّةِ التي لا تُرَامُ ' أسألك يا ألله يا رحمنُ بجلالك و نور وجهك أن تُنَوِّرَ بكتابك بصري و أن تُطلِقَ به لساني و أن تُفَرِّجَ به عن قلبي و أن تَشرَحَ به صَدرِي و أن تَغسِلَ به بَدَنِي فإنّه لا يُعِينُنِي على الحق غيرُك و لا يؤتيه إلّا أنتَ 'و لا حول و لا قوة إلّا باللّٰهِ العلي العظيم.

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی! اس عمل کو تین جمعہ یا پانچ جمعہ یا سات جمعہ کر۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ دعاء ضرور قبول کی جائے گی۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے کسی بھی مؤمن سے بھی قبولیت دعاء نہ چوکے گی۔ سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی ؓ کو پانچ یا سات ہی جمعہ گزرے ہوں گے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! پہلے میں تقریباً چار آیتیں پڑھتا تھا اور وہ بھی مجھے یاد نہ ہوتی تھیں اور اب تقریباً چالیس آیتیں پڑھتا ہوں اور ایسی اَز بر یاد ہوتی ہیں کہ گویا قرآن مجید میرے سامنے کھلا ہوا رکھا ہے اور پہلے میں حدیث سنتا تھا اور جب اس کو دوبارہ کہتا تھا تو ذہن میں نہیں رہتی تھی اور اب احادیث سنتا ہوں اور جب دوسروں سے نقل کرتا ہوں تو ایک بھی لفظ نہیں چھوٹتا۔ [اس پر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! تو مؤمن ہے]۔ [فضائل قرآن مجید: ۶۶-۷۰]

اس طویل روایت کی سند اس طرح ہے: سلیمان بن عبدالرحمٰن الدمشقی عن الولید من مسلم حدثنا ابن جریج عن عطاء ابن ابی رباح وعکرمة مولیٰ ابن عباس عن ابن عباس ؓ......۔

[سنن ترمذی، کتاب الدعوات [۴۹] بابٌ فی دعاء الحفظ [۱۱۵] حدیث: ۳۵۷۰، المستدرک ۱: ۳۱۶]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: یہ حدیث منکر اور شاذ ہے۔ مجھے ڈر ہے یہ کہیں موضوع نہ ہو۔ اللہ کی

قسم! اس کی سند کی جودت نے مجھے حیران کیا۔ [تلخیص المستدرک ۱: ۳۱۷]

حافظ صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں: الولید مدلس ہیں اور اکثر و بیش تر کذابین سے تدلیس کرتے ہیں۔ اس کی شدید ترین منکر حدیث وہ ہے جسے امام ترمذی نے حفظِ قرآن کے سلسلے میں نقل کی ہے۔ [میزان الاعتدال ۴: ۳۴۷ بذیل ترجمہ: ۹۴۰۵]

حافظ صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں: یہ روایت میرے نزدیک موضوع ہے اور شاید یہ ساری مصیبت سلیمان ابن بنت شرحبیل کی ڈھائی ہوئی ہے جو حافظ ہونے کے باوجود منکر الحدیث ہے۔ اگر وہ اسے ابن جریج سے روایت کرتے تو لوگوں میں رائج ہو جاتی لیکن اُنہوں نے تو تحدیث کی صراحت کی اس لیے اس کے موضوع ہونے کا شبہ قوی ہو گیا۔

[سیر اعلام النبلاء ۹: ۲۱۸]

-اس کی دوسری سند اس طرح ہے: الحسین بن اسحاق التستری ثنا ہشام بن عمار ثنا محمد بن ابراہیم القرشی حدثنی ابو صالح عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ......۔

[معجم کبیر ۱۱: ۲۹۰-۲۹۲ حدیث: ۱۲۰۳۶]

اس سند کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: محمد بن ابراہیم ثقہ نہیں۔ رہا اس کا استاذ تو کوئی نہیں جانتا کہ کون ہے۔ [سیر اعلام النبلاء ۹: ۲۱۹]

منکے

شیخ طفاوی کہتے ہیں: بينما أنا عنده يومًا وهو علی سرير له ومعه كيس فيه حصى أو نوًى، وأسفل منه جارية له سوداء، وهو يسبح بها، حتى إذا أنفذ ما في الكيس ألقاه إليها، فجمعته فأعادته في الكيس، فدفعته إليه.

[سنن ابی داؤد، کتاب النکاح [٦] باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکون من اصابتہ اہلہ [۵۰] حدیث: ۲۱۷۴، الحاوی ۲: ۳]

''میں ایک دن ابو ہریرہ ﷜ کے پاس بیٹھا تھا۔ آپ چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ آپ تسبیح وتہلیل میں مصروف تھے اور ایک تھیلی میں کنکریاں اور گٹھلیاں بھری ہوئی تھیں جس پر وہ تسبیح پڑھتے جب تھیلی ختم ہو جاتی تو لونڈی کو حکم دیتے وہ بھر لاتی۔''

[سیر الصحابہ ۲: ٦۳ مہاجرین حصہ دوم]

یہ روایت نا قابل استدلال ہے اس لیے کہ:

- شَيْخٌ مِنْ طَفَاوَة ''شیخ طفاوہ'' کا نام اور اتا پتا معلوم نہیں، جو حسب اصطلاح محدثین مجہول ہے پس حدیث معلول ہوئی۔
- اس کا ایک راوی جریری ہیں جن کا نام ابو مسعود سعید بن ایاس ہے جو اگرچہ ثقہ تھے لیکن اپنی وفات سے تین سال قبل مُختَلَط ہوئے تھے۔ [الانساب ۲: ۵۳]

میری امت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے گی

سیدہ ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا (۱) فرماتی ہیں: میں ایک روز رسول اللہ ﷺ کے ہاں آئی اور عرض کیا: اللہ کے رسول! گزشتہ شب میں نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ کہنے لگیں: بہت ہی برا ہے۔ فرمایا: بتاؤ تو سہی۔ بتانے لگی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری جھولی میں رکھ دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ اچھا خواب تو نے دیکھا ہے۔ اِنْ شَـآءَ اللّٰہ [سیدہ] فاطمہ [رضی اللہ عنہا (۱)] کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا تو وہ تیری گود میں آئے گا۔ بالآخر [سیدہ] فاطمہ [رضی اللہ عنہا] نے [سیدنا] حسین [رضی اللہ عنہ] کو جنم دیا پھر وہ میری گود میں رکھا گیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ایک روز میں بچے کو اُٹھائے ہوئے رسول اکرم ﷺ کے ہاں پہنچی تو وہ بچہ میں نے آپ کی گود میں تھما دیا، پھر میں نے آپ کی طرف غور سے دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ میں نے عرض کی: اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا ہوا؟ فرمایا: أتاني جبريل عليه السلام فأخبرني أَنَّ أُمَّتِي سَتَقْتُلُ اِبْنِيْ هٰذَا، فقلتُ: هٰذَا؟ فقال: نَعَم! و أتاني بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهِ حَمْرَآءَ.

[المستدرک ۳:۱۷۶-۱۷۷]

”میرے پاس [سیدنا] جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ میری ہی امت میرے اس بچے کو قتل کرے گی۔ میں نے کہا: اِس کو؟ اُنہوں نے کہا: ہاں! اُس [جبرئیل علیہ السلام] نے اُس کے قتل گاہ کی سرخ مٹی مجھے لا کر دی ہے۔“

امام حاکم اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں: یہ حدیث شیخین کے شرط کے مطابق صحیح ہے۔

اس پر حافظ ذہبی نے لکھا ہے: قلتُ: بل منقطعٌ ضعیفٌ فإنّ شَدَّاد لم یُدرك أم الفضل و محمد ابن مصعب ضعیفٌ. [تلخیص المستدرک ۳:۱۷۷]

''میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں: بلکہ منقطع اور ضعیف ہے اس لیے کہ شداد کی ملاقات سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں اور محمد بن مصعب ضعیف ہے۔''

لیکن مسند احمد ۱: ۸۵؛ ۳: ۲۴۲، ۲۶۵؛ ۶: ۲۹۴ اور کئی دوسری شواہد کی بناء پر یہ روایت درست قرار دی جاسکتی ہے۔

اس قسم کی ایک روایت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے جس کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یا أمّ سلمة! إذا تَحوَّلَتْ هذِهِ التُّربةُ دماً فاعْلَمِي أنَّ ابْنِي قَدْ قُتِلَ فَجَعلَتْهَا أُمُّ سَلَمَةَ فِي قَارُوْرَةٍ ثُمَّ جَعلَتْ تَنْظُرُ إلَيها كُلَّ يَوْمٍ.

[المُعجم الکبیر ۳: ۱۰۸، حدیث: ۲۸۱۷]

''ام سلمہ! یہ مٹی جب خون بن جائے۔ سمجھ لینا میرا بیٹا [سیدنا حسین ﷺ] شہید ہو گیا۔ [سیدہ] ام سلمہ [رضی اللہ عنہا] نے وہ مٹی شیشی میں ڈال دی۔ روزانہ اُسے دیکھا کرتی تھیں۔''

یہ اضافہ موضوع ہے۔ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ البتہ اس کا ایک راوی عمرو بن ثابت ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حبان لکھتے ہیں: اَثبات [ثقہ راویوں] کی سند سے موضوعات نقل کرتا ہے۔ اس کا ذکر کتابوں میں جائز نہیں۔ [المجروحین ۲: ۴۲، ترجمہ: ۶۱۹]

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: اس کا راوی عمرو بن ثابت النکری متروک الحدیث ہے۔

[مجمع الزوائد ۹: ۱۸۹]

میں ایسی چیز کھانا پسند نہیں کرتی جو اللہ کے ذکر سے غافل ہو

مولانا محمد نعمان صاحب اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ”ابو العباس بن مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں یمن میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شکاری ساحل پر مچھلیاں پکڑ رہا ہے اور اُس کے ایک جانب اُس کی بیٹی بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ مچھلیاں پکڑ کر اپنے تھیلے میں ڈالتا تو وہ لڑکی مچھلیوں کو پانی میں پھینک دیتی۔ جب اُس شخص نے کافی دیر کے بعد دیکھا کہ کتنی مچھلیاں پکڑی جا چکی ہیں تو اُسے کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ اُس نے کہا: پیاری بیٹی! مچھلیاں کہاں گئیں؟ اُس نے کہا: ابا جان! میں نے آپ ہی سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَا تَقَعُ سَمَكَةٌ فِي شَبَكَةٍ إِلَّا غَفَلَتْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.

”کوئی مچھلی جال میں نہیں پھنستی مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جائے۔“

اس لیے میں نہیں چاہتی کہ میں ایسی چیز کو کھاؤں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو۔ پس وہ شخص رو پڑا اور جال پھینک دیا۔“ [سلف صالحین کے حیرت انگیز واقعات: ۱۴۵-۱۴۶]

مولانا صاحب نے اس کے لیے دَمیری (۱) کی حیاۃ الحیوان کا حوالہ دیا ہے۔ اُن سے بہت

---

(۱) محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ بن علی دمیری ابو البقاء کمال الدین، باحث، ادیب اور شافعی فقیہ تھے۔ مصر کے شہر دمیرہ سے تعلق تھا۔ ۷۴۲ھ = ۱۳۴۱ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے، وہاں پلے بڑھے اور وہاں ۸۰۸ھ = ۱۴۰۵ء کو وفات پائی ابتدا میں درزی کا کام کرتے تھے پھر علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ازہر میں اُن کا ایک خاص حلقہ درس تھا۔
[مفتاح السعادۃ ۱: ۱۸۶، الاعلام ۷: ۱۱۸]

کے نقل کیا ہے، جب کہ امام مسلم لکھتے ہیں: اَلإِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ، وَلَوْلَا الإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَآءَ مَا شَآءَ. [صحیح مسلم، مقدمہ ۱: ۱۵، باب: الاسناد من الدین ۵]

''اِسنادِ حدیث ہی دین ہے، اگر اِسناد نہ ہوتی تو پھر ہر کوئی جو چاہتا، وہی کہہ دیتا۔''

یہ روایت صفوری شافعی (۱) کی کتاب میں اس طرح نقل کی گئی ہے:

قال بعض الصّالحين: رأيتُ بالهِنْدِ...... [نزهة المجالس ومنتخب النفائس ۱: ۱۴]

''بعض صالحین نے کہا ہے کہ میں نے ہند میں دیکھا کہ ایک شخص مچھلیاں پکڑ رہا تھا......''

اس روایت کی حالت بھی وہی ہے جو حافظ ابن الجوزی اور دمیری کی روایت کی ہے بلکہ یہ اُس کے مقابلے میں سخت کمزور ہے اس لیے کہ اس میں یمن کے بجائے ہند کا ذکر ہے اور دوسرا یہ کہ اس کا راوی کوئی صالح وزاہد شخص ہے۔ امام مسلم، امام یحیٰی بن سعید القطان (۲) کا قول نقل کرتے ہیں: لَمْ نَرَ الصَّالِحِيْنَ فِيْ شَيْئٍ أَكْذَبَ مِنْهُمْ فِي الْحَدِيْثِ.

[مقدمہ صحیح مسلم ۱: ۱۷-۱۸]

''ہم نے حدیث کے بیان کرنے میں نیک وصالح لوگوں سے زیادہ خطا کرنے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔''

امام مسلم اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: يَجْرِي الْكَذِبُ عَلٰى لِسَانِهِمْ وَلَا يَتَعَمَّدُوْنَ الْكَذِبَ. [مقدمہ صحیح مسلم ۱: ۱۸]

---

(۱) عبدالرحمٰن بن عبدالسلام بن عبدالرحمٰن بن عثمان صفوری شافعی۔ مؤرخ اور ادیب ہیں۔ اہل مکہ سے ہیں۔ اردن کے شہر صفوریہ سے تعلق کی وجہ سے صفوری کہلائے۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ ۸۹۴ھ = ۱۴۸۹ء کو وفات پائی۔ [ہدیۃ العارفین ۵: ۵۳۳، الاعلام ۳: ۳۱۰]

(۲) یحیٰی بن سعید بن فروخ قطان، تمیمی، ابوسعید، بصرہ سے تعلق تھا۔ ۱۲۰ھ = ۷۳۷ء کو پیدا ہوئے۔ ثقہ حجت اور حافظِ حدیث تھے۔ امام مالک اور امام شعبہ کے ہم عصر اور اُن کے اقران میں سے تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں میں نے اپنی اِن آنکھوں سے یحیٰی بن سعید القطان کی طرح کسی کو نہیں دیکھا ہے۔ ۱۹۸ھ = ۸۱۳ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۱۴: ۱۳۵، تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۹۸، الاعلام ۸: ۱۴۷]

’’ان کی زبان پر غیر ارادی طور پر کذب جاری ہو جاتا ہے۔‘‘

مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری کی املائی کتاب میں ہے: إذا وقع في الإسناد صوفيٌ فاغسل يديك منه، فإنهم يقولون: ظنوا بالمؤمنين خيرًا، ولا يطلبون حقيقة الحال.

[العرف الشذي شرح سنن الترمذي، محمد انور شاہ بن معظم شاہ کشمیری ۱:۶۲، بذیل حدیث: ۱۷]

’’جب کسی [حدیث کی] سند میں کوئی صوفی [راوی] آجائے تو اُس [حدیث] سے اپنے ہاتھ دھو لو اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ’’مؤمنوں پر اچھا گمان رکھو‘ اور حقیقتِ حال کو تلاش نہیں کرتے۔‘‘

اور علامہ ابن الحمصی (۱) لکھتے ہیں: وفي يوم الخميس خامس عشر مَنَعْتُ زينُ الدين الصَّفوري المحدِّث من القراءةِ بالجامع الأموي و مِن غيره، و أمَرْتُ بشيل كرسيه من الجامع الأموي و سَبَبُهُ أنَّهُ جمعَ كتاباً سَمَّاهُ: نزهة المجالس، و ذكر فيه أحاديثُ موضوعةٌ على النبي ﷺ ثم أحْضِرَ الكتاب المذكور، و ذكر أنه تابَ و رجعَ عن الأحاديث الموضوعة التي فيه، وأنه لا يعودُ لذلك، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ المُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ. [حوادث الزمان ووفیات الشیوخ والاقران: ۲۴۵، حوادث: ۸۹۹ھ]

’’۱۵ جمادی الاولیٰ، بروز جمعرات، ۸۹۹ھ کو میں نے محدث زین الدین صفوری کو جامع اموی وغیرہ میں درس وتدریس سے منع کیا اور جامع اموی میں اُس کی کرسی کو اُٹھوانے کا حکم دیا جس کی سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے نزہۃ المجالس کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب موضوع اور من گھڑت روایتیں درج کی ہیں۔ ایک

---

(۱) احمد بن محمد بن عمر انصاری، شہاب الدین ابن الحمصی۔ مؤرخ اور دمشقی الاصل ہیں۔ شافعی فقیہ ہیں۔ ۸۵۱ھ = ۱۴۴۷ء کو پیدا ہوئے۔ شام اور مصر میں علم حاصل کیا۔ سیدنا عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہیں۔ مصر کے قلعۃ الجبل اور پھر جامع دمشق میں خطبہ دیتے رہے ہیں۔ بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ ۹۳۴ھ = ۱۵۲۸ء کو وفات پائی۔

[الکواکب السائرۃ باعیان المائۃ العاشرۃ ۲:۹۸، ترجمہ: ۸۵۰، الاعلام ۱:۲۳۳]

محضر میں اُن کی کتاب پیش کی گئی، جہاں اُنہوں نے یہ اقرار کرلیا کہ میں نے توبہ کرلیا ہے اور اس کتاب میں مندرج موضوع احادیث سے رجوع کرتا ہوں اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔"

أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ عِلْماً نَافِعاً
وَرِزْقاً وَاسِعاً طَيِّباً
وَعَمَلاً مُتَقَبَّلاً

العبد الضعيف النحيف
ڈاکٹر سراج الإسلام حنیف
غفر الله ذنوبه وستر عيوبه
۱۷- ربیع الاول ۱۴۳۹ھ = ۵ دسمبر ۲۰۱۷ء

علمی فہارس

- فہرسِ آیات
- فہرسِ اَحادیث وآثار
- فہرسِ اَعلام
- فہرسِ رُواۃ
- فہرسِ مصطلح الحدیث

فہرس آیات

-سورۃ ص ۳۸:۸۵:لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ:۱۳

-سورۃ الزمر ۳۹:۶۰:وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ:۹

-سورۃ الحجرات ۴۹:۱۲:وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ:۱۶۵

-سورۃ الحاقۃ ۶۹:۴۰:اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ :۱۲۷

-سورۃ الحاقۃ ۶۹:۴۲:وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ :۱۲۷

-سورۃ الضحیٰ ۹۳:۴:وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى:۱۱۵؛۱۱۷

فہرس احادیث وآثار

فہرس أعلام

[جن کے مختصر تراجم لکھے گئے]

فہرس رُواۃ

[جن کی جرح یا تعدیل کی گئی]

حافظ ابن حبان لکھتے ہیں کہ ان پر زہد وتقشّف کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے احادیث نقل کرنے میں وہم اور خطاً کا شکار ہوا کرتے تھے یہاں تک کہ عادل ہونے کی حد سے نکل گئے: ۴:۷

-جعفر بن عبدالواحد ہاشمی قاضی، احادیث، وضع کیا کرتا تھا۔ احادیث کا سرقہ اور روایات میں ہیر پھیر کیا کرتا تھا: ۱۷۷

-جویبر بن سعید ابوالقاسم ازدی بلخی مفسر، صاحبُ ضحاک ہے، جولیس بشيء اور متروک الحدیث تھا: ۱۶۸

-حبان بن اغلب بن تمیم مسعودی منکر الحدیث تھا: ۲:۱۷

-حجاج بن اسود اَن جانا راوی ہے۔ مسلم بن سعید کے علاوہ کسی اور نے اس سے روایت نہیں لی: ۲:۷

-حسن بن قتیبہ مدائنی کے بارے میں حافظ ابن عدی کی رائے قدرے اچھی ہے لیکن حافظ ذہبی انہیں ھَالِکٌ کہتے ہیں: ۱۷-۲۷

-حکیم ترمذی حدیث کا علم رکھنے والوں میں سے نہیں تھے: ۱۱۳

-خالد بن یزید عمری امام ابن معین کی تصریح کے مطابق کذاب تھا: ۱۲۳

-سفیان بن محمد فزاری مصیصی سارق حدیث تھا اور مسروقہ روایات کے لیے اسانید وضع کیا کرتا تھا: ۱۷۸

-سلام بن سُلَیم الطّویل خراسانی متروک الحدیث تھا: ۱۰۱

-سلمہ بن محارب کا اسماء الرجال کی کتابوں میں کوئی اتا پتا نہیں کہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ: ۱۸۰

-سلیمان ابن بنت شرحبیل حافظ ہونے کے باوجود منکر الحدیث تھا: ۱۸۳

-سلیمان بن سلمہ خبائری ابوسلمہ حمصی متروک الحدیث اور جھوٹا تھا: ۱۷۸

-سلیمان تیمی نے عبید سے روایت نہیں سنی بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک نامعلوم راوی ہے: ۱۶۵

-سہیل بن ابی صالح ثقہ ہیں۔امام بخاری اور امام مسلم نے اُن کی حدیث استشہاداً نقل کیا ہے:۶۶

-سیف بن عمر ضبی اسیدی، واقدی کی طرح تھا۔جابر جعفی اور دیگر مجاہیل سے روایتیں لیتا ہے۔متروک تھا۔زندقہ سے بدنام ہے۔اُس کی عام روایتیں منکر ہوتی ہیں۔حدیث وضع کرنے سے بدنام تھا۔زندیق تھا اور احادیث کے سلسلے میں ساقط الاعتبار تھا: ۶۱؛۱۰۸؛ ۱۶۲؛۱۶۳

-شداد کی ملاقات سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں:۱۸۶

-شعیب بن ابراہیم مجہول ہے:۱۶۲

-شیبان بن جسر اپنے والد کے علاوہ کسی اور راوی سے روایت بیان کرے تو اُس کا اعتبار کیا جائے گا:۴۷

-صاعد پر جھوٹ بولنے اور جو کچھ وہ نقل کرتا ہے اس میں قلتِ صدق کی تہمت تھی:۱۴۸

-ضحاک بن مزاحم ہلالی صدوق اور کثیر الارسال تھا:۱۶۸

-ضحاک بن مزاحم نے مزاحم نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت نہیں سنی:۱۶۸

-ضحاک بن یربوع کی کسی معتبر محدث نے توثیق نہیں کی۔مجہول ہے:۱۶۳

-عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ حضرمی ابوعبدالرحمٰن مصری قاضی اور صدوق تھے۔کتابیں جل جانے کے بعد اختلاط کا شکار ہوئے:۱۳۸

-عبداللہ بن محمد بن مغیرہ کوفی: قوی نہیں۔منکر الحدیث ہے:۱۵

-عبدالملک بن عبدالرحمٰن مجہول ہے۔امام فلاس نے اس کو کذاب کہا ہے:۱۰۱

-عبدالمنعم بن ادریس ساقط الاعتبار تھا:۱۲۰

-عبدالمنعم بن ادریس اپنے والد کی سند سے نقل کرتے ہیں جب کہ عبدالمنعم کے والد ادریس یمن میں وفات پا گئے جب کہ عبدالمنعم ابھی دودھ پیتے بچے تھے:۱۲۱

-عبدالمنعم بن ادریس بن سنان اپنے والداور دوسرے ثقہ راویوں پر احادیث گھڑتا ہے:۱۰۰

-عُتْبی اَخباری اور فصیح تھے۔اس کی ملاقات کسی صحابی یا تابعی سے ثابت نہیں:۱۵۳

-عثمان بن محمد بن عثمان بن محمد بن عبدالملک ابوعمرو عثمانی محدث نہیں بلکہ موضوعات و عجائبات نقل کرتا ہے:۴۷

-عطیہ بن سعد بن جُنادہ عوفی جدلی کثرت سے غلطیاں کرتا تھا۔شیعہ اور مدلس تھا۔ تدلیس الشیوخ کا مرتکب ہوا کرتا تھا:۱۷۱

-عکرمہ بربری کے بارے میں کچھ محدثین کی رائے تو اچھی ہے مگر حافظ ذہبی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فرزند کے حوالے سے لکھا ہے اُن کے والد کو منسوب کر کے جھوٹی روایات بیان کرتا تھا:۱۷۸

-علوان بن داود بَجَلی ضعیف اور منکر الحدیث ہے:۱۱۰

-علی بن محمد مدائنی مؤرخ احادیث کے معاملے میں قوی نہیں:۱۸۰

-عمر بن حفص بن ذکوان متروک ہے:۹۴

-عمرو بن ثابت ثقہ راویوں کی سند سے موضوعات نقل کرتا ہے۔متروک الحدیث ہے:۱۸۶

-غالب بن جبریل کون ہیں؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ کوئی نہیں جانتا کہ کیسے تھے:۲۸

-الغلابي :محمد بن زکریا بن دینار الضبی البصری: قصہ گو اور اَخباری تھا:۵۸

-الغلابي کا استاذ ابراہیم بن عمرو بن حبیب مجهول العین ہے:۵۸

-فائد بن عبدالرحمٰن کی روایت سے امام احمد راضی نہیں تھے یا یہ اُن کے نزدیک متروک الحدیث تھا:۱۵۹-۱۶۰

-قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں:۱۲۹

-مؤمل [بوزنِ محمد] بن اسماعیل قرشی صدوق ہونے کے ساتھ ساتھ سَیِّئُ الْحِفْظِ تھا:۷۲

-مؤمل بن اسماعیل قرشی کا استاذ عبیداللہ بن ابی حمید ہذلی متروک الحدیث ہے:۷۲

-مجاشع بن عمرو بن حسان اسدی ثقہ راویانِ حدیث پر احادیث وضع کیا کرتا تھا اور ثقہ راویوں کے نام سے موضوعات نقل کرتا تھا:۹۶؛۹۷؛۹۸

-محمد بن ابی حاتم وراق کیسے ہیں؟ ثقہ ہیں یا ضعیف؟ کسی کو کچھ نہیں معلوم!:۲۸

-محمد بن ابراہیم ثقہ نہیں اور اس کا استاذ مجہول ہے:۱۸۳

-محمد بن ادریس حدیث وضع کرنے سے مُتّہم ہے:۱۲۰

-محمد بن حمید رازی، بدمذہب اور غیر ثقہ ہے جس کی بات کا کچھ بھی اعتبار نہیں:۳۱؛۱۰۹

-محمد بن حمید رازی نے امام مالک اور ابو جعفر المنصور کا زمانہ نہیں پایا:۳۲

-محمد بن سائب کلبی جھوٹ بولنے اور رفض سے متہم تھا:۱۲۳

- محمد بن سائب کلبی' کذاب اور ساقط الاعتبار ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ متروک تھا۔ سبأی تھا اور کہا کرتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مرے نہیں ہیں بلکہ واپس دنیا میں آئیں گے اور اسے عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ جھوٹ بولنے سے بدنام تھا:۱۲۳؛۱۴۰

-محمد بن سنان بن یزید القزاز البصری کذاب تھا:۴۷

- محمد بن مروان بن عبداللہ بن اسماعیل المعروف بسدی صغیر جھوٹ بولنے سے بدنام تھا :۱۲۳

-محمد بن مصعب ضعیف ہے:۱۸۶

-مسروح ابو شہاب کی حدیث کا کوئی شاہد و تابع نہیں ہوتا:۹۰-۹۱

-مسلم بن زیاد نے گردن کی مسح کے بارے میں موضوع حدیث نقل کی ہے:۱۸۰

-معبد، جو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں، مجہول ہے:۱۸

- مقاتل بن سلیمان جھوٹ بولتا تھا۔ کذاب تھا:۱۵۸

-نبہان جو سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا آزاد کردہ غلام تھا۔ نا قابل احتجاج ہے:۱۷۴

-نوح بن محمد ایلی کو کسی نے ثقہ نہیں کہا: ۱۷۸-۱۷۹

-ہشام بن زیاد کو امام احمد ضعیف و متروک ہے ثقہ راویوں کی سند سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔ ثقہ نہیں اور محدثین اس کے بارے میں کلام کرتے ہیں: ۶۶

-ہیثم بن حماد مجاہیل میں سے ہے۔ ابو کثیر سے روایتیں لیتا ہے جس کا نام معلوم نہیں: ۱۷۰

-الولید مدلس ہیں اور اکثر و بیش تر کذابین سے تدلیس کرتے ہیں: ۱۸۳

-یحییٰ بن ابی بکیر کا اُستاذ مستلم بن سعید صدوق و عابد تھا اور بار ہا وہم کا شکار ہوا: ۴۷

-یحییٰ بن ابی کثیر یمامی ہیں صغار تابعین میں سے ہیں۔ حافظ ہیں۔ کثیر الارسال اور مدلس ہیں اور کسی صحابی سے اُن کی سماع ثابت نہیں: ۶۰

-یحییٰ بن عبداللہ بن ضحاک بابلتی، ضعیف تھا: ۵۹

-یزید بن اَبان رقاشی متروک ہے: ۱۶۶

-یعلیٰ بن ابراہیم الغزال اور اُن کے استاذ ہیثم بن حماد کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے: میں اسے نہیں جانتا۔ اس کی بیان کردہ ایک باطل خبر ہے جو اُس نے اپنے کمزور استاذ سے بیان کی ہے: ۱۷۰

فہرس مصطلح الحدیث

اِسی قلم سے

-۱: الآثَارُالمَرْفُوْعَةْ فِی الأخْبَارِالْمَوْضُوْعَةْ [عربی، تحقیق، تخریج، تعلیق]

-۲: اصول بحث وتحقیق علوم شرعیہ [اردو]

-۳: اَنبیائے کرام پر اعتراضات کا علمی جائزہ [اردو، تحقیق]

-۴: الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة [دوجلد، ترجمہ، تحقیق وتعلیق]

-۵: باون بے اصل واساس وکہانیاں

-۶: بصائر السنة، دوجلد [اردو، تحقیق، تخریج، تعلیق]

-۷: البَصَائرُ لِلْمُتَوَسِّلِينَ بِالْمَقَابِر [اردو، تحقیق، تخریج، تعلیق]

-۸: تَبْيِيْنُ الْعَجَب بِمَا وَرَدَ فِيْ فَضْلِ رَجَب [عربی، تحقیق وتعلیق]

-۹: تحقیقی جائزہ [اردو] ردشرک وبدعت اور رسوم میں لکھی گئی۔

-۱۰: ترجمة القرآن الکریم [پشتو]

-۱۱: تسہیل بلغة الحیر ان، دوجلد [اردو، تحقیق وتعلیق]

-۱۲: توضیحات [اردو]

-۱۳: التُّحفة الکریمة في بعض الأحادیث الضعیفة و السقیمة [اردو، ترجمہ، تحقیق وتعلیق]

-۱۴: حیاة الأنبیاء علیهم السلام، امام بیہقی [اردو، ترجمہ، تحقیق وتعلیق]

-۱۵: خصائل مسلمین ترجمہ مسائل اربعین [اردو، تحقیق، تعلیق]

-۱۶: اَلْخَيْرُ الكَثِير في قَبَسَاتٍ مِّنْ كُتُبِ التَّفْسِير [عربی]

-۱۷: زَادُالطَّالِبِين مِن كَلَامِ رَسُولِ رَبِّ العَالَمِين ﷺ [پشتو ترجمہ، تحقیق، تعلیق]

-۱۸:صحابہ کرام ﷺ پر اعتراضات کا علمی جائزہ [اردو، تحقیق]

-۱۹:علوم القرآن

-۲۰: قاموس الکتاب [اردو]

-۲۱:اَللُّبَاب في تَأوِيْلِ أَلْفَاظٍ أُشْكِلَتْ فِي الْكِتَاب [عربی]

-۲۲:مختصر خلاصہ مضامین قرآن مجید

-۲۳:مناهج المفسرين [اردو]

-۲۴:اَلمَجمُوعَة فِي الأحَادِيثِ الضَّعِيفَةِ وَالمَوضُوعَة [اردو]

-۲۵:مسنون أذکار [اردو]

-۲۶:مطالعہ قرآن مجید [اردو]

-۲۷:معرفت علوم حدیث [اردو]

-۲۸: مِفتَاحُ الجَنَّةِ فِي الإحتِجَاجِ بِالسُّنَّةِ [عربی، تحقیق، تعلیق]

-۲۹:منتخب علمی مکاتیب [اردو]

-۳۰: موضوعات الصغاني [اردو، تحقیق وتعلیق]

-۳۱:نيل السائرين في طبقات المفسرين [اردو، تحقیق وتعلیق]

زیر تحقیق وترتیب

-أسماء الله الحسنَى [اردو]

-الإعلان بالتَّوبيخ لِمَن ذَمَّ التَّارِيخ [اردو، ترجمہ، تحقیق، تعلیق]

-التَّوَصُّل إلى أحكام التَّوسل [اردو، ترجمہ، تحقیق وتعلیق]

-جرح وتعدیل، قواعد والفاظ

-مناهج المحدثين [اردو]

أَللّٰهُمَّ إِنِّي أعوذُ بِكَ مِنَ الفِتَنِ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

اَللّٰہُ أکبرُ إنَّ دینَ مُحمَّدٍ [ﷺ]
وَ کِتابَہٗ أقْوی وَ أقْوَمُ قِیْلاً
لا تَذْکُرُوا الْکُتُبَ السَّوالِفَ عِنْدَہٗ
طَلَعَ النَّھارُ فَاطْفِیٔ الْقِنْدِیْلاً

”اللہ اکبر! بلا شک وشبہ سیدنا محمد ﷺ کا دین اور اُن پر نازل کی ہوئی کتاب، قرآن مجید سب سے طاقتور اور ہر کسی کی بات سے مضبوط ہے اس لیے اس کے سامنے سابقہ آسمانی کتابوں کا کوئی ذکر نہ کرو اس لیے کہ دن نکل گیا ہے تو قندیل بجھا دو۔“